علم التعلیم

11

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پہلا باب

تعلیم
(Education)

تعلیم عربی زبان کا لفظ ہے جو ''علم'' سے ماخوذ ہے۔ انگریزی میں اس کا متبادل لفظ ''ایجوکیشن'' ہے جو لاطینی زبان کے دو الفاظ "Educere" اور "Educare" سے ماخوذ ہے۔ "Educere" کے معنی "To bring out" اظہار کرنا، باہر نکالنا، بروئے کار لانا جبکہ "Educare" کے معنی ہیں "To bring up" پروان چڑھانا، نشوونما کرنا، اُجاگر کرنا۔ ''ایجوکیشن'' کی اصطلاح انھیں دو الفاظ سے مل کر بنی ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ ان صلاحیتوں کے لحاظ سے ہر انسان دوسرے انسان سے مختلف ہے۔ تعلیم کا عمل انسان کی ان صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اور پروان چڑھانے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تعلیم، انسان کی سیرت و کردار کی تعمیر و تشکیل کرتی ہے تاکہ وہ معاشرے میں ایک کامیاب اور اچھے شہری کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے کے قابل ہوجائے۔

تعلیم ایک ایسا عمل ہے جو متعلم کی تمام صلاحیتوں کے اظہار اور ہمہ پہلو نشوونما کے نتیجے میں اس کی شخصیت کی تکمیل کرتا ہے اور اس کی سیرت و کردار کی اس طرح تعمیر و تشکیل کرتا ہے کہ وہ معاشرے میں اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی ایک کامیاب شہری کی حیثیت سے بسر کرنے کے قابل ہوجائے۔

تعلیم کی مندرجہ بالا تعریف میں چار پہلو نمایاں ہیں:

1- متعلم کی تمام صلاحیتوں کا اظہار اور نشوونما
2- متعلم کی شخصیت کی تکمیل
3- سیرت و کردار کی تعمیر و تشکیل
4- انفرادی و اجتماعی زندگی میں کامیاب شہری کی حیثیت سے تیاری

تعلیم کی یہ تعریف انتہائی جامع اور مکمل ہے جو دنیا کے ہر معاشرے اور تمام افراد پر صادق آتی ہے۔ تعلیمی عمل کے نتیجے میں کوئی فرد، معاشرے کے کسی بھی شعبہ میں ایک کارکن، ماہر یا قائد کی حیثیت سے اپنا کردار کامیابی سے ادا کرنے کے قابل ہوتا ہے گویا معاشرے کے مطلوبہ افراد تعلیم کے اسی عمل سے تیار ہو کر معاشرے کی تعمیر و تشکیل کرتے ہیں۔

ماہرین تعلیم نے تعلیم کے مفہوم کے بارے میں مختلف آرا کا اظہار کیا ہے۔ کسی نے اسے انسانی ذہن کی نشوونما قرار دیا ہے۔ کسی نے اسے معاشرتی مطابقت (Social Adjustment) کا نام دیا ہے۔ سقراط نے اسے سچائی کی تلاش، ارسطو نے جسمانی و اخلاقی نشوونما کا عمل اور افلاطون نے صحت مند معاشرے کی تنظیم کا عمل قرار دیا ہے۔ جان ڈیوی اسے تجربے کی مسلسل تعمیر نو اور تنظیم نو کا نام دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تعلیم انسانی زندگی کے ان تمام پہلوؤں کی مسلسل نشوونما اور بالیدگی کا عمل ہے جو انسان کی شخصیت کے نکھار اور اعلیٰ کمال کے حصول کا باعث بنتا ہے۔

انسان کی یہ صلاحیتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

1- جسمانی صلاحیتیں (Physical Abilities)
2- ذہنی اور فکری صلاحیتیں (Mental & IntellectualAbilities)
3- معاشرتی صلاحیتیں (Social Abilities)
4- جذباتی صلاحیتیں (Emotional Abilities)
5- اخلاقی صلاحیتیں (Moral Abilities)
6- روحانی صلاحیتیں (Spiritual Abilities)

تعلیم، انسان کی مذکورہ بالا صلاحیتوں کی بتدریج، مسلسل اور ہمہ گیر نشوونما کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ یہ انسان کی ہمہ پہلو تربیت کا عمل ہے اور تعلیم کی مختلف سرگرمیاں انسانی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی کسی نہ کسی لحاظ سے نشوونما اور فروغ کا باعث بنتی ہیں۔ نشوونما کا یہ عمل مربوط بھی ہوتا ہے اور بتدریج بھی تا کہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کی نشوونما ہو سکے اور حتی الامکان اس کی شخصیت کی تکمیل کے ذریعے معاشرتی زندگی متوازن طور پر پروان چڑھ سکے۔

دیگر مخلوقات کی نسبت انسان اپنی عملی زندگی میں قدم قدم پر تعلیم و تربیت کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے معلم اول پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو خود تعلیم سے بہرہ ور فرمایا اور بنی نوع انسان کی ہدایت، رہنمائی اور تعلیم و تربیت کے لیے انبیاء علیہم السلام کی صورت میں معلمین مبعوث فرمائے۔ جس کی آخری کڑی، خاتم المرسلین جناب محمد ﷺ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثتُ مُعَلِّماً

ترجمہ: ''بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

اسلامی نقطۂ نظر سے تعلیم کا مقصد معاشرے کی نوخیز نسلوں کی تکمیل ذات، آدابِ معاشرت، اخلاقِ حسنہ اور صحیح تصور کائنات کی تربیت دینا ہے تا کہ انسان اپنے خالق، مالک اور رازق یعنی ربِ کائنات کو پہچان سکے۔ تعلیم ہی انسان کو خداشناس، خودشناس اور کائنات شناس بناتی ہے تا کہ انسان خلیفۃ اللہ کا کردار ادا کر سکے۔

اسلام میں تعلیم کی اہمیت، مقام اور فضیلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وحی الٰہی کا آغاز لفظ ''اقرأ''، یعنی پڑھ سے ہوا اور پہلی وحی میں علم، قلم اور پڑھنے کا ذکر فرما کر تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد تعلیم و تزکیہ قرار دیا۔ تعلیم انسان میں نیکی اور بدی کی پہچان اور نیکی کو اپنانے اور گناہوں سے بچنے کا شعور پیدا کرتی ہے۔ آنحضور ﷺ نے مکہ مکرمہ میں ''دارارقم'' اور مدینہ منورہ میں ''صفہ'' کے مدارس قائم کر کے صحابہؓ کی تعلیم اور تربیت کا اہتمام فرمایا۔

شاہ ولی اللہؒ نے تعلیم کو خیر وشر میں تمیز کر کے خیر کو اپنانے اور شر کو دبانے کا عمل قرار دیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے تعلیم کو تعمیر خودی اور تکمیل خودی قرار دیا ہے جو انسانی شخصیت کی تشکیل (Self-Actualization) کا دوسرا نام ہے۔

تعلیم کے عناصر (Elements of Education)

عملِ تعلیم کے بنیادی عناصر مندرجہ ذیل ہیں:

i- متعلّم (Student) ii- معلّم (Teacher) iii- نصاب (Curriculum)

iv- تعلّم (Learning) v- تدریس (Teaching) vi- معاشرہ (Society)

i- متعلّم (Student)

عملِ تعلیم میں سب سے اہم عنصر متعلم ہے۔ جس کے لیے تعلیم کا عمل انجام پاتا ہے۔ اُسی کی تربیت اور متوازن نشوونما کے لیے معاشرہ نظامِ تعلیم وضع کرتا ہے۔ طالب علم معاشرے کا ایک اہم رکن ہے اس کی تعلیم پورے معاشرے کی تعلیم ہے۔ معاشرے کے لیے ضروری ہے کہ طالب علم کی تربیت اس کی انفرادی ضروریات، صلاحیتوں اور دلچسپیوں کے مطابق کرے تا کہ وہ معاشرے کا ایک مفید رکن اور اچھا شہری بن کر اپنے اور دوسروں کے حقوق و فرائض کو سمجھ سکے۔

تعلیمی عمل کی کامیابی کے لیے متعلم کے بارے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ عمر کے کس درجے میں ہے؟ اور اس عمر کے تقاضے کیا ہیں؟ متعلم کی صلاحیتیں، ذاتی رجحانات اور دلچسپیاں کیا ہیں؟ متعلمین کے انفرادی اختلافات، مزاج اور استعداد کے ساتھ ساتھ قومی، مذہبی اور معاشرتی ضروریات کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔

اگر بچوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنے تجربات اور ماحول سے کچھ نہ کچھ سیکھ کر بڑے تو ہو جائیں گے۔ مگر ضروری نہیں کہ ان کا معیار معاشرے کے مطلوبہ معیار کے مطابق ہو۔ کیونکہ زندگی کا مقصد صرف روح و جسم کا رشتہ برقرار رکھنا اور روزی کمانا نہیں بلکہ زندگی کو ایسے رخ پر ڈھالنا ہے کہ وہ ریاست اور معاشرے کا مفید شہری بنے۔ اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار بندہ بن کر زندگی بسر کرے، ملک و ملت کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنے فرائض ادا کرے اور دوسروں کے حقوق کا احترام کرے تا کہ متوازن معاشرہ تشکیل پا سکے۔

ii- معلّم (Teacher)

معلّم وہ ہستی ہے جو متعلم کی تعلیم و تربیت کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ تعلیمی عمل کی کامیابی کا دارومدار معلّم ہی کا مرہون منت ہے۔ معلّم، طالب علم کے لیے ایک مثالی شخصیت ہے۔ وہ اس کا مربی، مرشد، مشیر اور رہنما ہوتا ہے۔ متعلّم ہر معاملہ میں استاد کی تقلید کرتا ہے۔ اگر استاد، علم، کردار اور اخلاق کے لحاظ سے بلند ہے تو وہ طالب علم کو بھی زندگی میں رفعتوں اور کامرانیوں سے ہمکنار کرے گا۔

استاد نہ صرف متعلمین کو کتابی علم بہم پہنچاتا ہے بلکہ وہ ان کی ہر معاملہ میں رہنمائی بھی کرتا ہے۔ معلّم کی قابلیت، شفقت، محنت اور لگن سے طالب علم کی زندگی میں انقلاب آ سکتا ہے۔ اگر معلّم فنِ تدریس میں ماہر اور تربیت یافتہ ہو، تو وہ تعلیمی عمل میں حقیقی روح پھونک سکتا ہے۔

آنحضورﷺ نے اپنے لیے معلم کے لقب کو پسند فرمایا ہر معاشرے میں معلّم کو بہت بلند مقام حاصل رہا ہے۔ اسے روحِ انسانی کا صنعت گر قرار دیا گیا ہے اور وہ معمارِ قوم کی حیثیت سے معاشرے اور قوم کی تعمیر و تشکیل کا ذمہ دار ہے۔ معلّم کے لیے ضروری ہے کہ اس میں تدریس کا طبعی رجحان اور ذمہ داری کا احساس پایا جاتا ہو۔ کسی مجبوری کے تحت پیشہ تدریس اختیار کرنے والا شخص کبھی حقیقی معنوں

میں معمارِ قوم نہیں بن سکتا۔

iii- نصاب (Curriculum)

نصاب وہ شاہراہ ہے جس پر چل کر طالب علم اپنی منزل تک پہنچتا ہے۔ نصاب کے لفظی معنی راستہ کے ہیں جبکہ اصطلاح میں نصاب سے مراد وہ تمام سرگرمیاں، مشاغل، تجربات، مشاہدات اور تحقیقات ہیں جو مقاصدِ تعلیم کے حصول کے لیے تعلیمی ادارے کے اندر یا باہر ادارے کی نگرانی میں سرانجام پائیں۔ یہ نصاب کا جدید تصور ہے، عمل تعلیم کی انجام دہی کے لیے تمام علوم وفنون، تجربات و مشاغل اور دیگر تمام لوازمات نصاب کا حصہ ہیں۔

عمل تعلیم میں نصابِ تعلیم کی وہی حیثیت ہے جو نظامِ مملکت میں دستور کی ہے۔ نصاب کے دو بڑے اجزا ہیں۔

ا۔ مواد (Content)

ب۔ ہم نصابی سرگرمیاں (Co-curricular Activities)

نصاب کا مواد اس علم (Knowledge) پر مبنی ہوتا ہے، جو انسانی تجربات، مشاہدات اور تحقیقات کے نتیجے میں بنی نوع انسان نے مختلف ذرائع علم سے اخذ کیا ہے، یہی لوازمہ نصاب (Content) درسی کتب کی شکل میں طلبا کی تدریس کے لیے اساتذہ اور طلبہ کو مہیا کیا جاتا ہے۔ بالعموم اسی میں سے امتحان لیا جاتا ہے لہٰذا نصاب طلبہ کی ذہنی استعداد، ضروریات اور دلچسپیوں کے ساتھ ساتھ معاشرے کے نظریۂ حیات، اقدار، قومی معاشرتی اور معاشی تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر تیار کیا جائے۔ نصاب میں تبدیلی اور لچک کی گنجائش ہونی چاہیے تاکہ مستقبل کی ضروریات کے مطابق اس میں ترمیم واضافہ کیا جاسکے۔

ہم نصابی سرگرمیاں نصابِ تعلیم کا دوسرا اہم حصہ ہیں جو تعلیمی ادارہ کی مختلف سرگرمیوں کی صورت میں طلبہ کی شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اگرچہ ان میں امتحانات تو نہیں لیے جاتے مگر یہ سرگرمیاں طلبہ کی سیرت وکردار اور مستقبل کے کامیاب شہری کی حیثیت میں بہت نمایاں کردار ادا کرتی ہیں۔ نصاب کی جدید تعریف کی رو سے ان سرگرمیوں اور مشاغل کو بھی اسناد یا سرٹیفکیٹ عطا کرنے میں پیش نظر رکھنا چاہیے۔

iv- تعلّم (Learning)

تعلّم انسانی شخصیت کے کسی بھی پہلو میں وقوع پذیر ہونے والی تبدیلی ہے جو جسمانی، اخلاقی، روحانی اور کرداری بھی ہوسکتی ہے۔ انسانی شخصیت میں یہ مطلوبہ تبدیلیاں تجربات وواقعات کے نتیجے میں رونما ہوتی ہیں۔ لہٰذا طلبہ کے لیے ایسے تجربات کا اہتمام کیا جاتا ہے جن سے مثبت اور مطلوبہ تبدیلی واقع ہو۔ عمل تعلیم میں تعلّم کے لیے مناسب ماحول پیدا کیا جاتا ہے۔ انسان جب کسی مہیج سے دوچار ہوتا ہے تو اس میں کوئی نہ کوئی ردعمل پیدا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک بچہ آگ کو چھو لیتا ہے تو اس کا ہاتھ جلتا ہے اور وہ تکلیف محسوس کرتا ہے اور فوراً اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیتا ہے۔ اس عمل میں آگ مہیج ہے اور ہاتھ کا ہٹا لینا ردعمل ہے۔ یہ سارا عمل بچے کا تجربہ ہے۔ اب بچہ جب بھی آگ کو دیکھے گا تو اس کے قریب نہیں جائے گا کیونکہ تجربے کے نتیجے میں اس کے کردار میں تبدیلی آچکی ہے، یہی تبدیلی تعلّم ہے۔

عمل تعلیم میں طالب علم کو کئی ایسے تجربات وواقعات سے گزار کر اس کی شخصیت میں مثبت اور مطلوبہ تبدیلی پیدا کی جاتی ہے۔ یہ تبدیلی بحیثیت مجموعی طالب علم کی تعلیم کا باعث بنتی ہے۔

v- تدریس (Teaching)

تدریس ایک ایسا فن ہے جس کے ذریعے استاد مختلف طریقہ ہائے تدریس اور تدریسی حکمت کے تحت طالب علم کی شخصیت میں تبدیلی (تعلم) کے لیے مناسب تدابیر اختیار کرتا ہے۔ تدریس کا عمل انتہائی مہارت کا تقاضا کرتا ہے استاد کے سامنے مختلف صلاحیتوں اور اہلیتوں کے طالب علم ہوتے ہیں۔ وہ ان کے انفرادی اختلافات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکمت عملی اختیار کرتا ہے، مختلف مضامین کی تدریس کے لیے مختلف انداز اپناتا ہے۔

مؤثر اور کامیاب تدریس وہ ہوتی ہے جو طالب علم کے لیے دلچسپ، دلکش، آسان اور دیرپا ہو۔ طالب علم نئی چیز کو سیکھنے میں خوشی محسوس کرے اور وہ شوق اور رغبت کے ساتھ اپنی ذات میں مطلوبہ تبدیلی پیدا کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ استاد کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنی تدریس کے ذریعے تعلیم و تعلم کے عمل کو آسان اور دلچسپ بنائے، اس کے لیے تدریسی اعانات کا استعمال کرے۔

vi- معاشرہ (Society)

تعلیم ایک معاشرتی عمل ہے جس کا انتظام معاشرے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ کسی بھی ملک کا نظامِ تعلیم براہ راست اس ملک کے معاشرے کے مسائل اور ضروریات سے متاثر ہوتا ہے۔ اسی لیے نظامِ تعلیم اور عملِ تعلیم معاشرہ کے ماحول، اس کے مسائل اور معاشرے کی ضروریات کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

تعلیمی عمل کا معاشرے سے گہرا ربط ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ افراد، معاشرے کا حصہ ہیں اور تعلیم افراد معاشرہ کے لیے ہوتی ہے۔ افرادِ معاشرہ اپنی صلاحیتوں کی نشوونما اسی صورت میں کر سکتے ہیں جب معاشرہ تعلیم کے لیے مناسب ماحول، ضروری وسائل اور سہولیات بہم پہنچائے۔ فرد اور معاشرہ کا باہمی تعامل (Mutual Interaction) ہوتا ہے۔ عمل تعلیم ان کے درمیان ربط وضبط کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ معاشرتی بقاء، تہذیب و تمدن، ثقافت و اقدار کا تحفظ، نظریات اور علوم و فنون کا فروغ عمل تعلیم کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ یہ معاشرتی مطابقت تعلیم کا اہم مقصد ہے یعنی طالب علم معاشرے کی اقدار و روایات کو اپنائے اور معاشرے کی تعمیر و تشکیل میں اپنا کردار ادا کرے۔

تعلیم کا دائرہ عمل

تعلیم فرد کی شخصیت کی تکمیل کرتی ہے، اسے حقائق سے آگاہ کرتی ہے، اس کے اخلاق، کردار اور رویے کی اصلاح کرتی ہے، اور اسے معاشرے کی عملی زندگی میں انفرادی و اجتماعی حیثیت سے کامیاب شہری کا کردار ادا کرنے کے قابل بناتی ہے۔

تعلیم کے ذریعے انسانی کردار میں درج ذیل تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں:۔

i- وقوفی تبدیلی ii- تاثراتی تبدیلی iii- مہارتی تبدیلی

i- وقوفی تبدیلی

اس کا تعلق تصورات اور معلومات سے ہوتا ہے۔ تعلیم کے ذریعے طالب علم کو اشیا کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اسے نئی نئی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ وہ مختلف اشیا کو پہچانتا ہے، اس کے متعلق معلومات کو ذہن میں محفوظ کر لیتا ہے۔ حافظہ کی مدد سے انہیں دوبارہ دہراتا ہے، اس کی تشریح اور وضاحت کرتا ہے، اس کے مختلف اجزاء کا باہمی تعلق معلوم کرتا ہے، اشیا کو مجموعی حیثیت سے دیکھتا ہے اور مختلف مقاصد کو پیش نظر رکھ کر اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔

ii- تاثراتی تبدیلی

اس کا تعلق عادات اور رویوں کی تشکیل سے ہوتا ہے۔ تعلیم کے نتیجے میں فرد کے کردار اور رویے میں مطلوبہ مثبت تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ وہ دوسروں کے خیالات کو توجہ سے سنتا ہے اور ان کے نقطۂ نظر پر غور و فکر کرتا اور ان سے لطف اندوز ہوتا ہے اور مناسب انداز میں اپنے اندر تبدیلی کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے اچھے پہلوؤں کی تحسین کرتا ہے، اس کی قدر و قیمت کا تعین کرتا ہے اور اسے بتدریج اقدارِ حیات کے طور پر اپنے کردار کا حصہ بناتا ہے۔

iii- مہارتی تبدیلی

تعلیم کے اس پہلو کا تعلق کسی ہنر کے اکتساب سے ہوتا ہے۔ تعلیم جہاں کسی طالب علم کو معلومات بہم پہنچاتی ہے اور متعلقہ اشیا کے متعلق علم مہیا کرتی ہے اور اسے اپنے رویے اور کردار میں تبدیلی کے لیے آمادہ کرتی ہے وہاں اسے کسی عملی اقدام اور سرگرمی میں حصہ لینے کے قابل بناتی ہے۔ وہ ذہنی، جسمانی اور عملی طور پر اس سرگرمی میں شریک ہوتا ہے اور ممکنہ حد تک اسے نہایت اعتماد اور کامیابی کے ساتھ اپنی عادات و اطوار کے طور پر اپناتا ہے۔ تعلیم کے ذریعے وہ نہایت مہارت کے ساتھ کسی کام کو سرانجام دیتا ہے اور اپنے سابقہ تجربات میں بہتری پیدا کر کے اسے زیادہ بہتر اور اچھے انداز میں سرانجام دینے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک مثال کے ذریعے تعلیم کے دائرہ عمل کو سمجھنا آسان ہوگا۔

عملِ تعلیم میں، ایک طالب علم کو ''ہمدردی'' کے عنوان سے کوئی کہانی سنانا اور طالب علم کا اس کہانی کو واقعاتی لحاظ سے ٹھیک سمجھ کر بیان کر دینا، وغیرہ اس کے لیے وقوفی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر طالب علم ہمدردی کے جذبے کی تحسین کرے اور اسے اپنی عادات و اطوار اور عملی زندگی میں اپنانے میں خوشی محسوس کرے تو یہ تاثراتی یا کرداری تبدیلی کہلاتی ہے لیکن اگر وہ کسی ضرورت مند کی عملاً مدد کر کے اپنے کردار اور رویے میں تبدیلی پیدا کرے تو یہ حقیقی اور مطلوبہ تعلیم ہے اور یہ مہارتی تبدیلی کہلاتی ہے۔ ایسی ہی تعلیم کے نتیجے میں افراد کی سیرت و کردار میں انقلاب برپا ہوتا ہے اور ایسے ہی افراد صحیح معنوں میں تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں۔

ایک طالب علم اپنے گھر، ماحول اور مدرسہ سے متاثر ہوتا ہے اور ہر وقت اس پر مختلف واقعات اور تجربات کا اثر ہوتا ہے۔ تعلیمی عمل ایک مسلسل اور پوری زندگی پر محیط عمل ہے۔ اس لحاظ سے تعلیم کا دائرۂ عمل بہت وسیع ہے۔ یہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کو متاثر کرتا ہے۔

تعلیم کے وظائف (Functions of Education)

تعلیم انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔ تعلیم کا مقصد جہاں انسان کی شخصیت کی ہمہ جہت تعمیر ہے وہاں معاشرے کی تنظیم و تشکیل بھی ہے۔

ماہرین تعلیم نے تعلیم کے تین بنیادی اور اہم ترین وظائف بیان کیے ہیں:

i- ثقافتی و تہذیبی ورثہ کا تحفظ، منتقلی اور نشوونما
(Preservation, Transmission of Cultural Civilization, Heritage and Development)

ii- فرد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل (Fulfillment of the Individual's Basic Needs)

iii- معاشرتی زندگی کی تشکیلِ نو (Reconstruction of Social Life)

i- ثقافتی وتہذیبی ورثہ کا تحفظ، منتقلی اور نشوونما

ہر معاشرہ مخصوص اور منفرد خصوصیات، اقدار وروایات، تہذیب و تمدن اور ثقافت کا حامل ہوتا ہے اور اپنے اصولوں، اقدار وروایات کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا خواہاں ہوتا ہے تا کہ معاشرہ تہذیبی اور ثقافتی حیثیت سے زندہ رہ سکے- انسان اور جانوروں میں بنیادی فرق یہی ہے کہ جانور افزائش نسل تک محدود رہتے ہیں جبکہ انسان، افزائش نسل کے ساتھ ساتھ اپنے نظریۂ حیات، تہذیب وثقافت اور اپنی اقدار وروایات کو بھی آنے والی نسل تک منتقل کرتا ہے-

قدیم معاشروں میں تہذیبی وثقافتی ورثہ کی منتقلی کا فریضہ والدین سرانجام دیتے تھے وہ اپنے بچوں کو علوم وفنون سکھاتے تھے- اس کے بعد یہ فریضہ والدین کے علاوہ علما اور فضلا کے ذریعے سرانجام پاتا رہا- وہ اپنے گھروں یا مساجد کے ذریعے یہ فریضہ نبھاتے تھے- آہستہ آہستہ یہ ذمہ داری سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں نے لے لی- اس طرح تہذیب وثقافت میں ترقی اور دیگر رونما ہونے والی تبدیلیاں مسلسل نسل نو تک منتقل ہوتی رہیں-

تعلیمی اداروں کو ایک مثالی معاشرتی مرکز کی حیثیت حاصل ہے- جہاں معاشرے کے عقائد ونظریات، اقدار وروایات اور علوم وفنون میں نشوونما ہوتی ہے اس طرح تعلیمی ادارے تہذیبی ورثہ کی منتقلی کا ایک مفید ذریعہ ثابت ہو رہے ہیں-

ii- فرد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل

متعلم کو تعلیمی عمل میں بہت اہم مقام حاصل ہے پورا نظامِ تعلیم اسی محور کے گرد گھومتا ہے- معاشرے کے وسائل وذرائع اس کی نشوونما اور تربیت کے لیے بروئے کار لائے جاتے ہیں- بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کی تعلیم وتربیت کی ابتدا ہو جاتی ہے اور یہ عمل ساری عمر جاری رہتا ہے- بچہ اپنے والدین سے بہت کچھ سیکھتا ہے لیکن جب وہ بڑا ہو جاتا ہے تو اسے باقاعدہ تعلیم کے حصول کے لیے درس گاہوں میں بھیج دیا جاتا ہے جہاں رسمی تعلیم کے ذریعے وہ تعلیم وتربیت کے عمل سے گزرتا ہے- تعلیمی ادارے میں اساتذہ اسے اپنے معاشرے اور ملک وملت کی ضروریات کے مطابق تعلیم دیتے ہیں- تعلیمی ادارے کے ساتھ ساتھ بچہ اپنی معاشرتی زندگی میں اپنے ماحول اور تجربات سے بھی سیکھتا ہے، اس طرح کئی عوامل مل کر بچے کی شخصیت کی تعمیر کرتے ہیں-

بچے کی شخصیت کی تعمیر میں اس کی انفرادی صلاحیتیں، دلچسپیاں اور خواہشات پیش نظر رکھی جاتی ہیں- ساتھ ہی اس کی شخصی، معاشی اور معاشرتی ضروریات کی بھی تکمیل کی جاتی ہے، بچے کی بنیادی ضروریات کی تکمیل اور اس کی ذات کی تعمیر، تعلیم کے اہم وظیفے (Functions) کی حیثیت رکھتی ہے-

ماہرین تعلیم بچے کی تشکیل ذات کے لیے مندرجہ ذیل ضروریات (Needs) کو اہم قرار دیتے ہیں:

ا۔ جسمانی صحت

ایک اچھا ذہن تندرست جسم میں ہی ہو سکتا ہے۔ صحت کے بغیر بچہ اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام نہیں دے سکتا- اس لیے نظامِ تعلیم اور عمل تعلیم میں بچے کی جسمانی صحت کا خیال رکھا جاتا ہے- تعلیمی ادارے میں جسمانی ورزش، حفظانِ صحت کے اصولوں کی تعلیم، کھلا اور ہوادار ماحول، کھیلوں کے مقابلے وغیرہ بچے کے جسم کو صحت مند رکھنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

ب۔ اپنی حیثیت کی پہچان کی خواہش

ہر فرد میں اپنی حیثیت کو منوانے کی خواہش پائی جاتی ہے- بچہ، اپنے خاندان، عزیز واقارب اور اپنے ماحول میں اپنی حیثیت

منوانے کا متمنی ہوتا ہے۔ اگر اسے گھر میں نظر انداز کیا جائے اور اسے کوئی اہمیت نہ دی جائے تو وہ اضطراب اور پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ بچے کی انا کی تسکین کے لیے اسے تعلیمی ادارے کی مختلف گروہی سرگرمیوں اور انجمنوں کا رکن بنا کر معاشرے کا فعال حصہ بنایا جاسکتا ہے۔

ج۔ شہری کے حقوق و فرائض کا علم

حقوق و فرائض کے توازن سے صحت مند معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ ہر متعلم کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اسے ایک اچھے شہری کی حیثیت سے رہنا سکھایا جائے۔ تعلیم کا کام یہ ہے کہ وہ متعلم کو معاشرے کے حقوق و فرائض سے آگاہ کرے تاکہ وہ اچھے اور بُرے کی تمیز کر سکے اور اپنے فرائض کی ادائیگی اور حقوق کے لیے شعوری کوشش کرے۔

د۔ تعاون

معاشرے کو متوازن رکھنے اور مثبت انداز میں چلانے کے لیے ضروری ہے کہ افرادِ معاشرہ میں تعاون کا جذبہ موجود ہو۔ مل جل کر رہنا، ایک دوسرے کی ضروریات کا خیال رکھنا اور مختلف کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا، ایسی خصوصیات ہیں جو تعلیم کے ذریعے بچے میں پیدا کی جاسکتی ہیں۔ لہٰذا نصاب تعلیم اور عمل تعلیم میں باہمی ربط کے ذریعے طلبا میں تعاون اور رواداری جیسی صفات پیدا کرنے کے لیے مناسب تدابیر عمل میں لائی جاسکتی ہیں۔

ر۔ معلومات کی فراہمی

ہر فرد تجسس پسند ہوتا ہے اور اس کی یہ جبلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماحول اور کائنات کے بارے میں معلومات حاصل کرے جیسے اس کے اردگرد رونما ہونے والی تبدیلیاں کیوں اور کیسے ہو رہی ہیں؟ ان کے اسباب و علت کیا ہیں ان کے پس پردہ کون سی قوت کار فرما ہے۔ یہ کائنات کون وجود میں لایا؟ اسے کون چلا رہا ہے اور زندگی کا مقصد کیا ہے؟

ان بنیادی معلومات کے ساتھ ساتھ جدید ترین ایجادات و اختراعات سے آگاہی بچے کی خواہش ہوتی ہے۔ اس لیے بچے کو کائنات کے حقائق کی ترتیب و تنظیم اور تدریج سے آگاہ کرنا ضروری ہے یہ تعلیم کا فریضہ بھی ہے اور اس کی ذات کی تکمیل کے لیے بھی بہت اہم ہے۔

س۔ مہارتوں کا حصول

فرد جہاں ذہنی طور پر معلومات حاصل کرتا ہے وہاں اس کی یہ بھی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے کوئی کام کر سکے مثلاً لکھنا پڑھنا، دستی کام یا مشینی کام سرانجام دینا وغیرہ۔ لہٰذا معاشرے کو تعلیم کے ذریعے بچے کی خواہش، ضروریات اور صلاحیت کے مطابق مختلف مہارتوں کی تربیت اور ہنر سکھانے کا بندوبست کرنا چاہیے۔

ش۔ ورزشیں اور کھیل

فرد کی جسمانی صحت اور مقابلہ کی صلاحیت کو اُبھارنے کے لیے مختلف ورزشیں اور کھیل بھی ضروری ہیں۔ تعلیمی عمل اور مدرسہ میں بچے کی دلچسپی پیدا کرنے، فارغ اوقات کے درست استعمال اور صحت مند جسمانی مقابلوں کے لیے ورزشیں اور کھیل کود کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔

ص۔ مثبت اندازِ فکر اور اظہارِ خیال

افراد اپنے اور ماحول کے بارے میں سوچتے ہیں اور اس کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا غور و فکر کی عادت پیدا کرنے، اظہارِ خیال کی آزادی جیسی صفات، مثبت اندازِ فکر اور مناسب اظہارِ خیال ان کی تربیت میں ممد و معاون ثابت ہوں گی۔

ض۔ جمالیاتی حس کی تسکین

اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو جمالیاتی ذوق سے نوازا ہے جو اسے صحیح اور غلط میں تمیز کرنا سکھاتا ہے۔ ہر فرد خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ اسے مناظرِ فطرت اور فنونِ لطیفہ سے لطف اندوز ہونے کے مواقع بہم پہنچانے چاہئیں۔

ط۔ صحیح تصورِ کائنات

فرد میں تجسس کی صفت فطرتاً موجود ہوتی ہے وہ کائنات اور اشیا کائنات کے بارے میں سوال کرتا ہے، وہ اپنی تخلیق اور خالق کائنات کے متعلق جاننا چاہتا ہے۔ لہٰذا تعلیم کا فرض ہے کہ وہ فرد کے سامنے صحیح تصورِ کائنات پیش کرے تاکہ وہ گمراہ کن خیالات و تصورات سے محفوظ رہ سکے۔

یہ چند ایک بنیادی ضروریات ہیں جنہیں تعلیمی عمل میں ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ تعلیمی مواد فرد کی عمر، فہم اور تعلیمی مدارج کے مطابق ہونا چاہیے تاکہ اس کی بنیادی ضروریات کی تکمیل ہو سکے۔

iii- معاشرتی زندگی کی تشکیلِ نو

اگر تعلیم کا کام صرف ثقافتی و تہذیبی ورثے کا تحفظ و بقا ہوتا تو معاشرہ جمود کا شکار ہو جاتا اور اس میں ارتقاء اور نمو نہ ہو پاتی۔ اس لیے تعلیم کا کام محض اقدار و روایات کا تحفظ (Preservation) نہیں ہے بلکہ زندگی کے نئے راستوں سے آگہی، تنقید و اصلاح اور تخلیقیت (Creativity) بھی ہے۔

تعلیم زندگی کے مختلف شعبوں میں آگے بڑھنے اور اسے ترقی دینے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ تعلیمی اداروں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ تہذیبی ورثہ کی اقدار و روایات کا تنقیدی نظر سے جائزہ لیں۔ پسندیدہ اور مطلوب اقدار کو آئندہ نسلوں تک پہنچائیں تاکہ افراد نئے تجربات اور جدید تحقیقات کی روشنی میں معاشرے کی تعمیرِ نو اور تشکیلِ نو کا فریضہ سنبھالیں۔ تعلیم معاشرے میں پیدا ہونے والے نئے نئے مسائل اور جدید دَور کے تقاضوں کے مطابق معاشرے کی تشکیلِ نو کو اپنا فرض سمجھے۔

تعلیم کے اسالیب (Modes of Education)

عمومی طور پر تعلیم کے تین اسالیب ہیں:

i- رسمی تعلیم (Formal Education)

ii- نیم رسمی تعلیم (Non-formal Education)

iii- غیر رسمی تعلیم (In-formal Education)

i- رسمی تعلیم (Formal Education)

یہ ایسی تعلیم ہے جو باقاعدہ طور پر کسی تعلیمی ادارے میں طے شدہ نصاب کے مطابق مقاصدِ تعلیم کے حصول کے لیے دی جاتی ہے۔معاشرہ، نسل نو کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے لیے ادارے قائم کرتا ہے جو طلبہ کی استعداد، قابلیت اور ذہنی سطح کو مدنظر رکھ کر اساتذہ کی نگرانی میں تعلیم و تربیت کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے سکول، کالج اور یونیورسٹیاں قائم کی جاتی ہیں۔ یہ شعوری تعلیم، باقاعدہ نصاب اور ہم نصابی سرگرمیوں کے ذریعے طلبہ کی ہمہ پہلو نشوونما اور تربیت کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ اس میں نصاب، استاد اور طریقہ ہائے تدریس کا دورانیہ مقرر ہوتا ہے۔

ii- نیم رسمی تعلیم (Non-formal Education)

اس میں باقاعدہ تعلیمی اداروں کی بجائے ذرائع ابلاغ اور فاصلاتی تعلیم کے ذریعے معاشرہ کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس تعلیم کا مقصد زیادہ تر ان افراد کو تعلیم دینا ہے جو باقاعدہ طور پر کسی تعلیمی ادارے میں تعلیم حاصل نہ کر سکے ہوں۔ اس میں کسی حد تک نصاب تو طے کیا جاتا ہے مگر تعلیمی ادارے قائم نہیں ہوتے۔ اس تعلیم میں پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا سے بھی کام لیا جاتا ہے۔

iii- غیر رسمی تعلیم (In-Formal Educatoin)

غیر رسمی تعلیم ایسی تعلیم کو کہتے ہیں۔ جس میں فرد باقاعدہ کسی تعلیمی ادارے کی بجائے اپنے والدین، ماحول، معاشرہ اور ہمجولیوں سے سیکھتا ہے۔ غیر رسمی تعلیم کا عمل بچے کی پیدائش سے ہی شروع ہو جاتا ہے، بچہ ماں کی گود سے سیکھنا شروع کرتا ہے، اپنے عزیز و اقارب، گھر، محلے، مسجد اور اپنے اردگرد سے ہر وقت کچھ نہ کچھ سیکھتا رہتا ہے۔ اس تعلیم کے لیے نہ مقاصد تعلیم متعین ہوتے ہیں، نہ نصاب و امتحانات وغیرہ۔ غیر رسمی تعلیم کا دائرہ کار رسمی اور نیم رسمی تعلیمی اداروں کی نسبت، بہت وسیع ہے۔

تعلیم کی یہ تینوں اقسام، معاشرے کے افراد کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل کرتی رہتی ہیں۔ غیر رسمی تعلیم کا یہ عمل مہد سے لحد تک جاری رہتا ہے۔ آنحضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

اُطلبُوا العِلمَ مِنَ المَهدِ الَی اللَّحدِ

علم حاصل کرو پنگھوڑے سے قبر تک۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کا عمل ہمہ جہت ہونے کے ساتھ ساتھ زندگی بھر جاری رہتا ہے اور انسان حسب حال اس سے استفادہ کرتا رہتا ہے۔

اہم نکات

1- تعلیم ایک ایسا عمل ہے جو متعلم کی تمام صلاحیتوں کے اظہار اور ہمہ پہلو نشوونما کے نتیجے میں اس کی شخصیت کی تکمیل کرتا ہے۔

2- انسان کے اندر مندرجہ ذیل صلاحیتیں ہیں۔

جسمانی صلاحیتیں، ذہنی اور فکری صلاحیتیں، معاشرتی صلاحیتیں، جذباتی صلاحیتیں، اخلاقی اور روحانی صلاحیتیں،

3- تعلیم کے عناصر: متعلم، معلم، نصاب، تعلم، تدریس، اور معاشرہ ہیں۔

4- تعلیم کے ذریعے انسان میں مندرجہ ذیل تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔

وقوفی، تاثراتی اور مہاراتی

5- تعلیم کے مندرجہ ذیل وظائف ہیں۔

تہذیبی و ثقافتی ورثہ کا تحفظ، منتقلی اور نشوونما، فرد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل اور معاشرتی زندگی کی تشکیل نو۔

آزمائشی مشق

معروضی حصہ

1- ہر بیان کے ساتھ دیئے گئے جوابات میں سے موزوں ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

i- بچے کی تعلیم کا اولین مرکز ہے۔

(ا) مدرسہ (ب) معاشرہ (ج) مسجد (د) گھر

ii- معاشرے میں فرد کے مقام کا تعین کرنے کے لیے ضروری ہے۔

(ا) دولت (ب) ذات (ج) تعلیم (د) خاندان

iii- تعلیم کے وظائف میں شامل ہیں۔

(ا) تہذیبی ورثہ کا تحفظ اور منتقلی (ب) معاشرتی زندگی کی تشکیل نو

(ج) فرد کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل (د) مندرجہ بالا تینوں

iv- تعلیم کا سب سے بڑا مقصد ہے۔

(ا) ذاتی تسکین (ب) فرد کے کردار میں مثبت تبدیلی

(ج) حصولِ ملازمت (د) معلوماتِ عامہ کا حصول

v- نصاب کو نظامِ تعلیم میں کیا حیثیت حاصل ہے؟

(ا) ریڑھ کی ہڈی کی (ب) لوازمہ کی (ج) روح کی (ج) مندرجہ بالا تینوں کی

vi- فرد کے کردار میں تبدیلی ہے۔

(ا) تعلم (ب) تدریس (ج) نصاب (د) نظامِ تعلیم

vii- انسانی تجربات و مشاہدات سے اخذ کردہ مجموعہ معلومات ہے۔

(ا) تعلم (ب) تدریس (ج) نصاب (د) نظامِ تعلیم

viii- لفظ ایجوکیشن کون سی زبان سے ماخوذ ہے؟

(ا) عربی (ب) عبرانی (ج) لاطینی (د) یونانی

2- مندرجہ ذیل بیانات میں سے کچھ بیانات صحیح ہیں اور کچھ غلط اگر بیان صحیح ہے تو "ص" کے گرد اور اگر غلط ہے تو "غ" کے گرد دائرہ لگائیں۔

i- تعلیم فرد کی صلاحیتوں کے اظہار اور ان کی نشوونما کا عمل ہے۔ ص / غ

ii- تعلیم ایک معاشرتی عمل ہے جس کا مقصد معاشرتی مطابقت ہے۔ ص / غ

iii- تعلیمی عمل تعلیمی اداروں سے وابستہ ہے۔ ص / غ

iv- رسمی تعلیم اور غیر رسمی تعلیم کے بنیادی عناصر الگ الگ ہوتے ہیں۔ ص / غ

v- متعلم کے تعلم کے لیے ترغیب اور آمادگی کا عمل تدریس کہلاتا ہے۔ ص / غ

vi- فرد کے کردار اور رویہ میں تبدیلی کا عمل تعلّم کہلاتا ہے۔ ص / غ

vii- تعلیم اور تدریس ہم معنی الفاظ ہیں۔ ص / غ

viii- تعلیم کا سب سے اہم مقصد تعلیمی اداروں کا قیام ہے۔ ص / غ

ix- طلبہ کو تمام مضامین ایک ہی طریقہ تدریس سے پڑھائے جاسکتے ہیں۔ ص / غ

x- پیشہ تدریس سے وابستگی کے لیے طبعی رجحان ضروری ہے۔ ص / غ

xi- رسمی تعلیم باقاعدہ تعلیمی اداروں میں حاصل کی جاتی ہے۔ ص / غ

xii- بچے کی اولین درسگاہ مدرسہ ہے۔ ص / غ

xiii- تعلیمی مواد بچے کی فہم و فراست کے مطابق ہونا چاہیے۔ ص / غ

xiv- تدریس، عمل تعلیم کا عنصر نہیں ہے۔ ص / غ

xv- تعلیم ساری زندگی کا عمل ہے۔ ص / غ

3- مندرجہ ذیل بیانات میں خالی جگہ کو مناسب الفاظ لکھ کر مکمل کریں۔

i- بچے کی اولین درس گاہ .... ہے۔

ii- بچے کے اولین اساتذہ .... ہوتے ہیں۔

iii- طلبہ کو تعلم کے لیے آمادہ کرنے کا عمل .... کہلاتا ہے۔

iv- .... ان تمام مشاغل، سرگرمیوں اور علوم کا مجموعہ ہے جو مقاصد تعلیم کے حصول کے لیے طلبہ کو فراہم کیا جاتا ہے۔

v- فرد کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کی مربوط نشوونما کا عمل .... کہلاتا ہے۔

vi- بچے کی .... کو پیش نظر رکھ کر ہر پہلو کی مناسب نشوونما کی جائے۔

vii- تہذیبی ورثے کی نئی نسل تک .... کا عمل تعلیم کا اہم فریضہ ہے۔

viii- نظامِ تعلیم میں نصاب تعلیم کی وہی حیثیت ہے، جو نظامِ مملکت میں .... کی ہے۔

ix- تعلیم کے بنیادی عناصر معلم، نصاب، معاشرہ، مدریس، تعلم اور.................. ہیں۔

x- انسان کی باقی تمام مخلوقات پر فضیلت کی ایک وجہ یہ ہے کہ اسے.................. دی جا سکتی ہے۔

حصہ انشائیہ

4- تعلیم کا مفہوم بیان کیجیے۔

5- تعلیم کے بنیادی عناصر کے نام لکھیں اور سب سے اہم عنصر کی وضاحت کریں۔

6- نصاب تعلیم سے کیا مراد ہے؟ عمل تعلیم میں نصاب کی کیا اہمیت ہے؟ وضاحت کریں۔

7- تعلم سے کیا مراد ہے؟ تعلم کے نتیجے میں انسانی شخصیت میں ہونے والی تبدیلیوں کو مثالوں سے واضح کیجیے۔

8- تدریس کی تعریف کریں۔ موثر تدریس کیا ہوتی ہے؟ اس کی خصوصیات بیان کریں۔

9- فرد کی بنیادی ضروریات کی تشکیل میں تعلیم کے کردار پر نوٹ لکھیے۔

10- کسی قوم کے تہذیبی ورثے کے تحفظ اور منتقلی میں تعلیم اہم کردار ادا کرتی ہے۔ بحث کیجیے۔

11- ایک صحت مند معاشرہ کی تشکیل میں تعلیم کس طرح مددگار ثابت ہوتی ہے۔ وضاحت کیجیے۔

12- تعلیم کے وظائف وضاحت سے بیان کیجیے۔

13- عمل تعلیم میں معلم کے کردار پر نوٹ تحریر کیجیے۔

14- تعلیم کے دائرہ عمل کے حوالہ سے مندرجہ ذیل کی وضاحت کیجیے۔

ا۔ وقوفی ب۔ تاثراتی ج۔ مہارتی

15- رسمی تعلیم اور غیر رسمی تعلیم پر نوٹ لکھیے۔

مقاصدِ تعلیم

(Aims of Education)

تعلیم کے عمل میں وہ تمام معلومات و تجربات شامل ہیں جو بنی نوع انسان نے آغازِ انسانیت سے آج تک تاریخ کے مختلف ادوار میں حاصل کیے ہیں۔ یہی تجربات ومشاہدات نسل درنسل ہم تک پہنچے ہیں اور ذخیرۂ علم کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں۔ یہ ذخیرۂ علم، تعلیم کے ذریعے نئی نسلوں تک پہنچتا ہے۔ عمل تعلیم کی منظم صورت نظامِ تعلیم کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

نظامِ تعلیم

نظامِ تعلیم سے مراد تعلیم سے متعلقہ عناصر کا ایسا مجموعہ ہے جو باہمی طور پر مربوط اور منظم انداز میں تسلسل کے ساتھ مقاصد کے حصول کے لیے ایک یونٹ کی شکل میں کام کرتا ہے۔

نظامِ تعلیم کی اس تعریف سے ظاہر ہے کہ اس میں اصل حیثیت مقاصدِ تعلیم کی ہے۔ کسی ملک کے نظامِ تعلیم میں تمام عناصر ان ہی مقاصد کے حصول کے لیے اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ مقاصدِ تعلیم ہی نظامِ تعلیم کو مربوط بنانے میں مدد دیتے ہیں اور یہ تمام نظامِ تعلیم میں روح کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مقاصدِ تعلیم (Aims of Education)

نظامِ تعلیم کا سب سے اہم عنصر مقاصدِ تعلیم ہیں۔ تعلیم کے باقی تمام عناصر ان ہی مقاصد کے حصول کے لیے کام کرتے ہیں۔ یہی مقاصد باقی تمام عناصر کو آپس میں مربوط اور ہم آہنگ کرتے ہیں۔ یہ پورے نظامِ تعلیم کی سمت کو درست رکھنے میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں اور انہیں پرکھنے کے لیے امتحانات کا انعقاد کیا جاتا ہے۔

مقاصدِ تعلیم، کسی بھی معاشرے کے نظریۂ حیات اور فلسفیانہ تصورات سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ ہر قوم اپنے مقاصدِ تعلیم کا تعین، اپنے ملک کے تاریخی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی پس منظر میں کرتی ہے جو افرادِ معاشرہ کی انفرادی اور اجتماعی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ مقاصدِ تعلیم میں سے کچھ مقاصد دائمی ہوتے ہیں جن کا تعلق اس قوم کے بنیادی تصورات ونظریات سے ہوتا ہے اور کچھ مقاصد عارضی ہوتے ہیں جو وقتی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ مقاصدِ تعلیم قومی ضروریات سے ہم آہنگ ہوں نظامِ تعلیم نئی نسل کو اپنے آبائی ورثے اور علوم وفنون سے آگاہ کر کے جدید دور کے تقاضوں کے مطابق معاشرے کے لیے مطلوب افراد تیار کر سکے جو زندگی کے مختلف شعبوں میں ماہرین اور کارکنوں کی حیثیت سے اپنے فرائض اور ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے ادا کر سکیں۔

ہمارا ملک، پاکستان ایک عظیم تحریک کے نتیجے میں اسلامی نظریہ کی بنیاد پر ایک نظریاتی مملکت کے طور پر وجود میں آیا۔ برصغیر پاک وہند میں اس نظریاتی مملکت کا وجود اس خطہ کے مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ اس مملکت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ یہاں قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق ایک حقیقی، اسلامی اور فلاحی معاشرہ قائم ہو جہاں معاشرتی انصاف، رواداری، اخوت

اور مساوات کی بنیاد پر لوگ اپنی زندگی بسر کر سکیں۔

نظریاتی مملکت، پاکستان میں مقاصدِ تعلیم کے تعین کے لیے اسلامی نظریۂ حیات کے بنیادی تصورات کا جاننا ضروری ہے۔ اسلامی نظریۂ حیات کی رو سے زمین پر خدا کے حکم اور قانون کا اس طرح نفاذ کرنا ہے کہ اس میں بسنے والے باشندے اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق بسر کر سکیں۔ اسلامی نظریہ، زندگی کے تمام شعبوں کی طرح تعلیم کے شعبہ کو بھی اپنے دائرہ کار میں شامل کرتا ہے اور اپنی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق نظامِ تعلیم کی تشکیل چاہتا ہے۔

پاکستان کے نظامِ تعلیم میں مقاصدِ تعلیم

نظریاتی مملکت پاکستان کے نظامِ تعلیم میں مقاصدِ تعلیم کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

i- روحانی و اخلاقی مقاصد ii- ذہنی و علمی مقاصد iii- معاشی و پیشہ ورانہ مقاصد iv- سماجی و ثقافتی مقاصد

i- روحانی و اخلاقی مقاصد

پاکستانی معاشرے میں اخلاقی و روحانی لحاظ سے افرادِ معاشرہ کی تعلیم و تربیت کو اولیت حاصل ہے۔ اس میں رضائے الٰہی کے حصول کو اہم ترین مقصدِ تعلیم کی حیثیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معبودیت اور عقیدۂ توحید، ان مقاصدِ تعلیم کا مرکز و محور ہے۔ اس لحاظ سے مقاصدِ تعلیم مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ رضائے الٰہی ب۔ معرفتِ الٰہی ج۔ اطاعتِ الٰہی د۔ دین اسلام کا علم اور فہم و بصیرت

ر۔ اخلاق حسنہ و تزکیہ نفس س۔ فکرِ آخرت

ا۔ رضائے الٰہی کا حصول

تعلیم کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔ تمام اعمال صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے ہونے چاہییں۔ اخلاص نیت کے ساتھ چھوٹا عمل بھی بہت بڑی نیکی شمار ہوگا اور منافقت کی صورت میں ایک بڑا عمل بھی وبال ثابت ہوگا۔ اس لیے تعلیم کے مقاصد میں اس نکتہ کو اولین حیثیت حاصل ہے۔

ب۔ معرفتِ الٰہی

تعلیم کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ طالب علم، تعلیم کے نتیجے میں، اللہ رب العالمین کو پہچان سکے۔ وہ اللہ ہی کو اپنا خالق، مالک، پروردگار اور حاکم سمجھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اختیارات اور اس کی بادشاہی کا شعور حاصل کر سکے اور تعلیم کے نتیجے میں وہ خود کو اللہ کا بندہ سمجھے اور اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونے کا یقین پیدا ہو۔ ایسی تعلیم بیکار ہے جس سے انسان اپنے مالک و خالق سے دُور ہو۔ طالب علم کو اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے اور اس کی تمام صفات کا علم اور یقین ہو۔

ج۔ اطاعتِ الٰہی

تعلیم کا ایک مقصد یہ ہے کہ تعلیم یافتہ فرد اپنی عملی زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ایک مسلمان کی حیثیت سے بسر کرنے کے قابل ہو جائے۔ وہ اسلامی عبادات پر عمل پیرا ہو کر حلال اور حرام میں تمیز کر سکے۔ وہ حق کی پیروی کرے اور باطل سے اپنے آپ کو بچائے اور اس طرح اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں بسر کرنے کے قابل ہو جائے۔

د۔ دینِ اسلام کا علم اور فہم و بصیرت پیدا کرنا

تعلیم کے نتیجے میں انسان کو محض خواندہ بنانا ہی مقصود نہیں ہے بلکہ اس سے طالب علم میں دینِ اسلام کی سوجھ بوجھ پیدا کرنا ہے۔ تعلیم کے حصول کے بعد وہ اس قابل ہو جائے کہ وہ غیر اسلامی زندگی سے بچ سکے۔ وہ اسلامی نظامِ زندگی کے مزاج اور روح سے آگاہ ہو اور فکر و عمل کے ہر گوشے اور زندگی کے ہر شعبے میں طالب علم یہ جان سکے کہ کونسا طرزِ فکر اور عمل، دینِ اسلام کے مطابق ہے اور کونسا دینِ حق کے خلاف ہے۔ اسے دین کے تمام بنیادی عقائد، عبادات اور تعلیمات کا علم حاصل ہو اور یقین ہو کہ اصل حقائق وہ ہیں جو دین اسلام پیش کرتا ہے۔

ر۔ اخلاقِ حسنہ اور تزکیہ نفس

طالب علم، اسلامی عقائد و عبادات اور فہمِ دین کے ساتھ ساتھ، اپنی سیرت و کردار، عادات و اطوار اور عملی زندگی ایک اسلامی ریاست کے باشعور اور باکردار مسلمان شہری کی حیثیت سے بسر کرنے کے قابل ہو۔ وہ اپنے گفتار و کردار میں اسلامی رویے کا عملاً مظاہرہ کرے۔ اسی طرح اخلاقیات کو انسانی زندگی میں اہم مقام حاصل ہے۔ تعلیم کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ تعلیم یافتہ انسان، اچھے اخلاق کو اپنانے والا اور برے اخلاق اور ناپسندیدہ کاموں سے بچنے والا ہو۔ نفس کی پاکیزگی اور اخلاق حسنہ اعلیٰ انسانی صفات ہیں۔ تعلیمی عمل کے نتیجے میں ہر بچے میں ان صفات کا پیدا ہونا ضروری ہے۔

س۔ فکرِ آخرت

تعلیم کا ایک مقصد یہ ہے کہ تعلیم، انسان کو اپنی حقیقی یعنی آخرت کی زندگی میں کامیابی اور فلاح کے لیے تیار کرے۔ اسے ہر وقت یہ احساس ہو کہ موجودہ دنیا میں، اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو، جو کل یعنی آخرت کی زندگی میں اس کے لیے وبال اور نقصان کا باعث بنے۔ اس طرح آخرت کی فکر اور کامیابی قدم قدم پر اس کے پیش نظر رہے۔

تعلیم کے مندرجہ بالا مقاصد، ایک انسان کو حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار، متقی اور پرہیزگار بندہ بننے میں مددگار ثابت ہوں گے۔ وہ خود نیکی پر عمل کرنے والا اور دوسروں تک اس نیکی کے پیغام کو پہنچانے والا ہو، دین حق کی روشنی دوسروں تک پہنچانا اور غلبۂ دین کے لیے اپنی پوری توانائیاں صَرف کرنا ایک تعلیم یافتہ فرد کا نصب العین ہو۔ وہ صبر و استقامت سے راہِ حق پر گامزن رہے اور وقت آنے پر اپنے ملک و قوم اور ملتِ اسلامیہ کے لیے اپنی جان اور مال قربان کرنے سے دریغ نہ کرے۔

ii- ذہنی اور علمی مقاصد

تعلیم، ہمیشہ معاشرے کے فلسفۂ حیات کے تابع ہوتی ہے فلسفہ جہاں زندگی کے تمام شعبوں کو بنیادی تصورات و افکار فراہم کرتا ہے، وہاں نظامِ تعلیم کے لیے فکری بنیاد بھی، فلسفۂ حیات سے حاصل ہوتی ہے۔ تعلیم کا عمل پیدائش سے لے کر زندگی کے آخری لمحہ تک جاری رہتا ہے۔ تاریخ کتنا ہی فاصلہ طے کر جائے یا زمانہ کتنا ہی ترقی کر جائے، جب تک یہ دنیا قائم ہے اور اس پر انسان کا وجود ہے، وہ ان بنیادی سوالات کا سامنا کرتا رہے گا۔ ان بنیادی سوالات میں انسان، کائنات، خالق کائنات اور زندگی کا حقیقی تصور شامل ہیں۔

گویا انسان، کائنات، خدا اور زندگی کے حقیقی تصورات کو جانے بغیر تصورِ تعلیم اور مقاصدِ تعلیم کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کے ہر معاشرہ میں اہلِ فکر و نظر نے ان سوالات کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح اپنے افراد و معاشرہ کے لیے اور خاص طور پر اپنی نسل نو کے لیے تعلیمی افکار اور مقاصدِ تعلیم وضع کیے ہیں۔

پاکستان جیسی نظریاتی مملکت کے نظامِ تعلیم میں ذہنی اور علمی نقطہ نظر سے تعلیم کے مندرجہ ذیل مقاصد ہونا ضروری ہیں۔

ا۔ خودشناسی ب۔ تسخیر کائنات ج۔ تصور علم سے آگہی

د۔ خلافتِ الٰہی کی ذمہ داریاں ر۔ عالمی قیادت کی صلاحیت

ا۔ خودشناسی

تعلیم کا ایک مقصد یہ ہے کہ تعلیم کے نتیجے میں خودشناسی، خودآگہی اور معرفتِ نفس کے ذریعے انسان نہ صرف اپنی صلاحیتوں کو پہچان کر انہیں استعمال میں لاسکتا ہے، بلکہ انہیں نشوونما دے کر اعلیٰ مراتب تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اسے خودی کا نام دے کر تعلیمی مقاصد کے لیے ایک علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔

ب۔ تسخیر کائنات

تعلیم کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ طالب علم اس کائنات کی حقیقت کو سمجھے۔ اس کے پوشیدہ خزانوں کا کھوج لگائے۔ اس کائنات کو اپنے مقاصد کے لیے جائز اور بھرپور طریقے سے استعمال میں لائے اور اسے اللہ تعالیٰ کی نعمت کے طور پر شمار کرے۔ تسخیر کائنات کے لیے سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی کا حصول ضروری ہے۔

ج۔ تصور علم سے آگہی

تعلیم کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ طالب علم، علم کے حقیقی تصور سے آگاہ ہو کر حقیقی سرچشمہ علم اور ذرائع علم سے واقفیت حاصل کرے اور انہیں استعمال میں لا کر کائنات کے اصل حقائق (Facts) اور حقیقت اصلیہ (Ultimate Reality) تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ اسے معلوم ہو کہ علم کا حقیقی سرچشمہ اللہ کی ذات ہے اور حقیقی ذریعہ علم وحی ہے۔ اصل حقائق تک رسائی صرف اسی ذریعہ علم سے ہوسکتی ہے۔ باقی ذرائع علم قیاس پر مبنی ہیں جو غلط بھی ہوسکتے ہیں۔

د۔ خلافت الٰہی کی ذمہ داریاں پہچاننا

مقاصد تعلیم میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ طالب علم کو یہ معلوم ہوسکے کہ وہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ وہ باقی تمام مخلوقات سے افضل ہے۔ لہٰذا نائب الٰہی کے تقاضوں کو سمجھ کر اس کائنات میں اپنے فرائض کی ادائیگی کرے تاکہ یہ کائنات پوری انسانیت کے لیے امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائے۔

ر۔ قیادت عالم کی صلاحیت پیدا کرنا

تعلیم کے ذریعے افراد معاشرہ کو عالمی قیادت کے منصب کیلئے اہل بنانا اور زندگی کے تمام شعبوں میں اس طرح آگے بڑھانا کہ وہ عالمی قیادت کے منصب کیلئے اپنے آپ کو آمادہ کریں۔

دنیا کی قیادت، علم وہنر کی مرہون منت ہے۔ نظام تعلیم کے ذریعے اعلیٰ قائدانہ صلاحیتوں کے حامل افراد کی تیاری، تعلیم کا اہم مقصد ہونا چاہیے۔

iii- معاشی وپیشہ ورانہ مقاصد

ہمارے نظام تعلیم کے مقاصد کے تعین میں زندگی کے مختلف شعبوں کیلئے افراد معاشرہ کی تیاری پیش نظر رہنی چاہیے تاکہ

فارغ التحصیل افراد، حلال روزی کمانے کے اہل ہوں اور مختلف پیشوں کو اپنا کر اپنے لیے، اپنے اہل وعیال اور ملک وقوم کے لیے معاشی ترقی کا باعث ہوں۔ تعلیم ایسی با مقصد ہونی چاہیے کہ اس سے ہنر مند افراد تیار ہوں مثلاً ڈاکٹر، انجینئر ٹیکنیشن، اساتذہ اور وکلا تا کہ تعلیم یافتہ کارکن ملکی معیشت کو ترقی دینے میں مددگار ثابت ہوسکیں۔ تعلیم کا مقصد صرف پڑھے لکھے بیروزگاروں کی کھیپ تیار کرنا نہ ہو بلکہ ملکی اور بین الاقوامی ضروریات کے مطابق پیشہ ورانہ مہارت کے حامل افراد تیار کرنا ہو۔

تعلیم کے مندرجہ ذیل معاشی اور پیشہ ورانہ مقاصد ہیں۔

ا۔ ہنر مند افراد کی تیاری

تعلیم کی بدولت ملک وقوم کو ایسے افراد مہیا ہوتے ہیں جو مختلف پیشوں میں مہارت رکھتے ہیں مثلاً میڈیکل، انجینئرنگ، ایگریکلچر وغیرہ، اس طرح معاشرے کی مختلف النوع معاشی ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے اور معاشرے کو خوشحالی نصیب ہوتی ہے۔

ب۔ معاشی ترقی اور خوشحالی

تعلیم یافتہ افراد ملکی معیشت میں ترقی اور خوشحالی کا باعث بنتے ہیں۔ ملک کی قومی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے جو معاشی کامیابی کی ضمانت ہے۔

ج۔ معاشی خود کفالت

تعلیم کی بدولت ایسے افراد تیار ہوتے ہیں جو معاشرے پر معاشی بوجھ نہیں بنتے۔ وہ مختلف پیشوں اور مہارتوں کے باعث روزگار حاصل کر لیتے ہیں اور روپیہ پیسہ کما کر خود کفیل ہوتے ہیں جس سے معاشرہ معاشی خوشحالی کی طرف بڑھتا ہے۔

iv- سماجی وثقافتی مقاصد

معاشرے کی تشکیل اور ارتقا کیلئے باشعور شہریوں کی تیاری وفراہمی ضروری ہے۔ اس نقطہ نظر سے تعلیم کے مقاصد مندرجہ ذیل ہوسکتے ہیں۔

ا۔ شہریت کے حقوق وفرائض کا شعور پیدا کرنا۔
ب۔ حفظان صحت کے اصولوں کا فہم اجاگر کرنا۔
ج۔ سیاسی بصیرت وشعور پیدا کرنا۔
د۔ امت مسلمہ کا تصور ذہن نشین کرنا۔
ر۔ وحدت انسانی کا شعور پیدا کرنا۔

ا۔ شہریت کے حقوق وفرائض کی ادائیگی کیلئے تیاری

تعلیم کے ذریعے ہر شہری کو اس قابل بنانا کہ وہ معاشرے میں دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کے قابل ہو اور اپنے فرائض کو پہچان کر انہیں ٹھیک طور پر ادا کرے۔ اس طرح ایک صحت مند متوازن اور عادلانہ معاشرہ کے قیام کیلئے مطلوبہ شہری تیار کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

ب۔ حفظان صحت کے اصولوں کا فہم اجاگر کرنا

مقاصد تعلیم میں یہ بات بھی شامل ہو کہ طالب علم اپنی ذات، ماحول اور معاشرے میں حفظان صحت کے اصولوں کا فہم وشعور رکھتے ہوں اور ان پر عمل پیرا ہو کر انفرادی اور اجتماعی معاشرتی زندگی کے لیے صاف اور صحت مند معاشرہ تشکیل دینے میں اپنا کردار ادا

کر سکیں۔

ج۔ سیاسی بصیرت وشعور پیدا کرنا

تعلیم کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ نسل نو میں اپنے قومی مسائل کا فہم وشعور ہو اور وہ سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کر سکیں۔ اپنی قیادت کے انتخاب میں اہلیت، اعلیٰ معیار اور اچھی صفات کے حامل افراد کو منتخب کر کے ایک جمہوری معاشرے کے قیام میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ اور سیاسی بصیرت اور رواداری سے کام لیتے ہوئے قومی معاملات میں اقلیتوں کو بھرپور طریقہ سے شامل کر سکیں۔

د۔ امت مسلمہ کا تصور اجاگر کرنا

مقاصد تعلیم میں امت مسلمہ کے تصور کا شعور پیدا کرنا بھی شامل ہونا چاہیے تاکہ طلبہ یہ جان سکیں کہ وہ دنیا بھر میں پھیلی ہوئی مسلمان امت کے ساتھ اخوت کے رشتے میں منسلک ہیں۔ وہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے دکھ درد میں شریک ہیں۔ ان کی تکلیفوں کو دور کرنے میں اپنا کردار ادا کرنے کا جذبہ رکھتے ہوں۔

ر۔ وحدت نسل انسانی کا تصور پیدا کرنا

تعلیم کے ذریعے اس احساس کو پیدا کرنا کہ پوری انسانیت، اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ نسل انسانی کا آپس میں وحدت کا رشتہ ہے۔ اس طرح انسانیت کے تقاضوں کو سمجھنا انسانی حقوق کی سربلندی اور پوری دنیا کے انسانوں کے ساتھ اپنے آپ کو ہم آہنگ کرنا، تعلیم کا مقصد ہونا چاہیے تاکہ ایک عالمگیر، انسانی معاشرہ وجود میں آسکے جو ہر قسم کے تعصبات اور امتیازات سے پاک ہو۔

تعلیم کی اقسام

تعلیم کو بنیادی طور پر دو اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

i- عام تعلیم　　ii- پیشہ ورانہ تعلیم

i- عام تعلیم

ایسی تعلیم ہے جس کا اہتمام سکولوں، کالجوں اور دوسرے تعلیمی اداروں میں کیا جاتا ہے عام تعلیم کہلاتی ہے۔ ہر معاشرہ اپنی بقا اور تسلسل کے لیے تعلیم کا انتظام کرتا ہے۔ تعلیم کے ذریعے وہ اپنے عقائد ونظریات اپنی اقدار وروایات اور اپنی تہذیب وثقافت نسلِ نو کو منتقل کرتا ہے۔ اسی طرح معاشرتی آداب، رہن سہن کے طریقے، انسانی تعلقات، اجتماعی زندگی گزارنے کے طریقے اور زندگی کے بارے میں بنیادی نوعیت کی معلومات بھی نسلِ نو تک پہنچاتا ہے۔ تعلیم کا ایک اہم مقصد فرد کو اس قابل بنانا بھی ہے کہ وہ پڑھ لکھ کر خواندہ بن سکے۔

خواندگی ہر معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے یہی وجہ ہے کہ ہر معاشرہ خواندگی پر بہت زور دیتا ہے۔ بد قسمتی سے پاکستان میں خواندگی کی شرح تا حال بہت کم ہے تاہم اس کے لیے کوششیں ہوتی رہی ہیں۔

پاکستان میں عام تعلیم تین مدارج پر مشتمل ہے جس میں ابتدائی، ثانوی واعلیٰ ثانوی اور اعلیٰ سطح کی تعلیم شامل ہے۔ نرسری سے ایم۔اے تک کی تعلیم اس زمرے میں آتی ہے۔ تاہم سائنسی تعلیم اور پیشہ ورانہ تعلیم اس میں شامل نہیں ہے۔

عمومی تعلیم کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں۔

ا۔ ابتدائی یا ایلیمنٹری ایجوکیشن

پہلی جماعت سے لے کر آٹھویں جماعت تک کی تعلیم ابتدائی یا ایلیمنٹری ایجوکیشن کہلاتی ہے اس کا دورانیہ 8 سال ہے پرائمری ایجوکیشن کا دورانیہ ایک سے پانچ سال اور مڈل ایجوکیشن کا دورانیہ تین سال کا ہے۔

ب۔ ثانوی تعلیم یا سیکنڈری ایجوکیشن

دسویں جماعت تک کی تعلیم کو ثانوی اور بارہویں جماعت تک کی تعلیم کو اعلیٰ ثانوی یا ہائیر سیکنڈری ایجوکیشن کہتے ہیں۔ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی تعلیم کے لیے ہمارے ملک میں ہائی سکولز یا ہائیر سیکنڈری سکولز قائم ہیں۔

ج۔ اعلیٰ تعلیم یا ہائیر ایجوکیشن

تیرھویں جماعت سے لے کر سولہویں جماعت تک کی تعلیم اعلیٰ تعلیم کہلاتی ہے بی۔ اے تک گریجویشن اور ایم اے کی تعلیم کو پوسٹ گریجویشن کہا جاتا ہے۔ یہ تعلیم کالجز اور یونیورسٹیوں میں دی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ایم فل، پی ایچ ڈی اور پوسٹ ڈاکٹریٹ کی تعلیم بھی اعلیٰ تعلیم کہلاتی ہے۔

ii- پیشہ ورانہ تعلیم

معاشرہ عمومی تعلیم کے ذریعے اپنی تہذیب وثقافت اور اپنی اقدار و روایات نسلِ نو تک منتقل کرتا ہے لیکن تمدنی ضروریات کی تکمیل اس سے ممکن نہیں ہوتی لہٰذا وہ زندگی کے مختلف شعبوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے پیشہ ورانہ تعلیم کا اہتمام کرتا ہے۔ اس تعلیم میں طب، انجینئرنگ، زراعت، تجارتی اور کاروباری تعلیم وغیرہ شامل ہیں اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

ا۔ طب کی تعلیم

معاشرے کے افراد کو صحت مند رکھنے اور انہیں مختلف بیماریوں سے بچانے کے لیے طب کی تعلیم کا انتظام کیا جاتا ہے۔ یہ تعلیم نہ صرف معاشرے کی ضرورت کو پورا کرتی ہے بلکہ معاشرہ کے استحکام کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ طبی تعلیم کے لیے بنیادی تعلیم ایف۔ ایس۔ سی ہے۔ جس کے بعد طالب علم میڈیکل کالج میں داخلہ حاصل کر سکتا ہے۔ اس کورس کا دورانیہ پانچ سال پر مشتمل ہے۔

ب۔ انجینئرنگ کی تعلیم

ملک کی صنعتی ترقی کے لیے انجینئرنگ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مختلف انجینئرنگ کالج اور یونیورسٹیاں یہ خدمت سرانجام دے رہی ہیں۔ انجینئرنگ کی تعلیم سول، الیکٹریکل، میکینکل اور دیگر شعبوں میں منقسم ہے۔ اس کے لیے بنیادی تعلیم ایف۔ ایس۔ سی (پری انجینئرنگ) ہے۔ ایف۔ ایس۔ سی کرنے کے بعد طالب علم انجینئرنگ یونیورسٹی میں داخلہ لے سکتا ہے اور چار سالہ کورس کے بعد ڈگری حاصل کرتا ہے۔

ج۔ زراعت کی تعلیم

پاکستان ایک زرعی ملک ہے اسے زرعی لحاظ سے خود کفیل ہونا ہے۔ جس کے لیے زیادہ سے زیادہ رقبہ زیرِ کاشت لانا ضروری ہے۔ نیز بڑھتی ہوئی آبادی کی معاشی ضروریات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اس میدان میں ترقی نہایت ضروری ہے۔

پاکستان کے تمام صوبوں میں زرعی یونیورسٹیاں موجود ہیں جہاں زرعی تعلیم دی جاتی ہے طلبہ ایف۔ ایس۔ سی کے بعد داخلہ کے اہل ہوتے ہیں جہاں بی ایس سی آنرز (زراعت) اور ایم ایس سی آنرز (زراعت) کرائے جاتے ہیں۔ ان یونیورسٹیوں میں فصلوں اور پھلوں وغیرہ میں اضافے اور بیجوں اور فصلوں کی نئی اقسام کی دریافت وغیرہ پر تحقیق ہوتی ہے۔

د۔ تجارتی اور کاروباری تعلیم

کاروبار اور معاشی ترقی کے لیے تجارت اور ٹیکسٹائل وغیرہ کے شعبوں میں ایسے افراد کی مانگ بڑھتی جا رہی ہے جو اس میدان میں پیشہ ورانہ تعلیم کی ڈگری رکھتے ہوں۔

تجارتی و کاروباری تعلیم کے لیے کمرشل کالجز، کامرس کالجز اور بزنس کالجز موجود ہیں جہاں سے طلبہ تعلیم حاصل کر کے ان شعبوں میں جاتے ہیں۔

ر۔ قانون کی تعلیم

معاشرے میں امن وامان قائم کرنے اور عام افراد کو عدل وانصاف مہیا کرنے کے لیے قانون کی تعلیم کا اہتمام کیا گیا ہے۔ مختلف یونیورسٹیاں قانون کی تعلیم کا اہتمام کرتی ہیں۔ بی۔ اے کے بعد قانون کی تعلیم میں داخلہ ملتا ہے۔ قانون کی تعلیم (ایل ایل بی) کا دورانیہ دو سال سے بڑھا کر تین سال کر دیا گیا ہے۔

س۔ ہوم اکنامکس کی تعلیم

معاشرے کی معاشی ترقی خواتین کی شرکت کے بغیر ناممکن ہے۔ گھریلو بجٹ، گھروں کی تزئین و آرائش، بچوں کی پرورش اور نگہداشت کے لیے خواتین کی تعلیم ضروری ہے اس کے لیے ہوم اکنامکس کے ادارے موجود ہیں جہاں خواتین تعلیم حاصل کر کے سلیقے کے ساتھ گھر کا انتظام چلا سکتی ہیں۔

ش۔ تربیت اساتذہ

تعلیمی نظام میں استاد کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ اچھے استاد کے بغیر بہترین تعلیم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ تعلیم کے شعبے میں آنے والے اساتذہ کی صحیح تربیت کی جائے۔ دنیا بھر میں اساتذہ کی تربیت کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

پاکستان میں اساتذہ کی تربیت کے لیے ایلیمنٹری کالجز، کالجز آف ایجوکیشن اور ادارہ ہائے تعلیم و تحقیق جیسے ادارے موجود ہیں جبکہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی آف ایجوکیشن بھی قائم کی جا چکی ہے۔ بی۔ ایڈ کرنے کے لیے بی۔ اے تک کی تعلیم ضروری ہے جب کہ ایم۔ ایڈ کے لیے بی۔ ایڈ کی تعلیم ضروری ہے۔ بی۔ اے کے بعد ایم۔ اے ایجوکیشن میں داخلہ ملتا ہے۔ جب کہ ایف۔ ایس۔ سی کے بعد بی۔ ایس۔ ایڈ کی ڈگری 3 سال میں دی جاتی ہے۔

ص۔ کمپیوٹر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی تعلیم

دورِ جدید میں کمپیوٹر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی تعلیم کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔ کمپیوٹر ٹیکنالوجی کے ذریعے دنیا کے تمام ممالک ایک دوسرے کے قریب ہو گئے ہیں اور دنیا ایک گلوبل ولیج (Global Village) بن گئی ہے۔

پیشہ ورانہ تعلیم کی مجموعی ترقی کے لیے انفارمیشن ٹیکنالوجی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ کمپیوٹر کی تعلیم نے انفارمیشن کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ کمپوزنگ، ڈیزائننگ اور ترسیل معلومات کے حوالے سے کمپیوٹر اہم خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ انٹرنیٹ نے پوری دنیا کو

سمیٹ کر قریب کر دیا ہے۔ انٹرنیٹ کے ذریعے ہر قسم کی معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اب دنیا کی بڑی بڑی لائبریریوں سے انٹرنیٹ کے ذریعے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

اہم نکات

1- نظام تعلیم سے مراد تعلیم سے متعلقہ عناصر کا ایسا مجموعہ ہے جو باہمی طور پر مربوط اور منظم انداز میں تسلسل کیساتھ مقاصد کے حصول کے لئے ایک یونٹ کی شکل میں کام کرتا ہے۔

2- مقاصد تعلیم، نظام تعلیم کا سب سے اہم عنصر ہیں جو کسی بھی معاشرے کے نظریہ حیات اور فلسفیانہ تصورات سے ماخوذ ہوتے ہیں۔

3- **پاکستان کے نظامِ تعلیم کے مقاصد تعلیم یہ ہیں۔ روحانی و اخلاقی مقاصد، ذہنی و علمی مقاصد، معاشرتی و پیشہ وارانہ مقاصد، سماجی و تہذیبی مقاصد**

4- تعلیم کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ عام تعلیم اور پیشہ وارانہ تعلیم

عام تعلیم میں ابتدائی تعلیم سے لیکر اعلیٰ تعلیم تک شامل ہے جبکہ پیشہ وارانہ تعلیم میں زراعت، طب، انجینئر نگ، تجارتی تعلیم اور قانونی تعلیم شامل ہے۔

آزمائشی مشق

معروضی حصہ

1- مندرجہ ذیل بیانات میں سے کچھ بیانات صحیح ہیں اور کچھ غلط اگر بیان صحیح ہو تو ''ص'' کے گرد اور اگر بیان غلط ہو تو ''غ'' کے گرد دائرہ لگائیں۔

i- نظامِ تعلیم کا اہم ترین عنصر مقاصدِ تعلیم ہے۔ ص/غ

ii- اسلام بنیادی طور پر تعلیم و تربیت کا نظام ہے۔ ص/غ

iii- نظامِ تعلیم کے تمام عناصر کو مقاصدِ تعلیم مربوط کرتے ہیں۔ ص/غ

iv- مقاصدِ تعلیم کا نظامِ تعلیم کی سمت کے تعین میں کوئی کردار نہیں۔ ص/غ

v- مقاصدِ تعلیم معاشرے کے نظریۂ حیات اور افکار سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ ص/غ

vi- اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی، تعلیم کا اعلیٰ ترین مقصد ہے۔ ص/غ

vii- تعلیم کا مقصد افراد کو دنیا کی کامیابی کے لیے تیار کرنا ہے۔ ص/غ

viii- تعلیم کا مقصد افرادِ معاشرہ کو محض پڑھنے لکھنے کے قابل بنانا ہے۔ ص/غ

ix- جس تعلیم کے نتیجے میں ایمان و یقین پیدا نہیں ہوتا وہ حقیقی تعلیم نہیں ہے۔ ص/غ

x- تعلیم یافتہ فرد کے لیے اچھے اخلاق کا اپنانا ضروری ہے۔ ص/غ

xi- حقیقی کامیابی، آخرت کی زندگی میں کامیابی ہے۔ ص/غ

xii- خودشناسی کو علامہ اقبالؒ نے خودی کا نام دیا ہے۔ ص/غ

xiii- تسخیر کائنات کے لیے سائنس وٹیکنالوجی کی تعلیم ضروری نہیں۔ ص/غ

xiv- علم کا حقیقی سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ص/غ

xv- عالمی قیادت کے لیے تیاری پیشہ ورانہ علوم کے بغیر بھی ممکن ہے۔ ص/غ

xvi- تعلیم کا مقصد پڑھے لکھے لوگ تیار کرنا ہے۔ ص/غ

xviii- مقاصدِ تعلیم طے کرتے وقت، معاشرے کے تمام افراد کی ضروریات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ص/غ

2- مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات میں سب سے موزوں ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

i- نظامِ تعلیم کا سب سے اہم عنصر کون سا ہے۔

(ا) مقاصدِ تعلیم (ب) نصابِ تعلیم

(ج) حکمتِ تدریس (د) امتحانات

ii- اسلام کے نقطۂ نظر سے کیا لازم ہے؟

(ا) دینی تعلیم (ب) دنیوی تعلیم

(ج) دینی و دنیوی تعلیم (د) محض جدید تعلیم

iii- نظامِ تعلیم میں مقاصد تعلیم کیا کردار ادا کرتے ہیں؟

(ا) محض مختلف عناصر کو مربوط کرتے ہیں (ب) روح کی حیثیت رکھتے ہیں

(ج) علم کا حقیقی سرچشمہ ہیں۔ (د) کوئی کردار ادا نہیں کرتے

iv- علم کا حقیقی ذریعہ کیا ہے؟

(ا) وحی (ب) سائنسی تحقیقات

(ج) جدید ٹیکنالوجی (د) فلسفہ

v- انسان کیا ہے؟

(ا) عقلی حیوان (ب) معاشی حیوان

(ج) سماجی حیوان (د) سیاسی حیوان

3- مناسب ترین الفاظ سے جملہ مکمل کریں۔

i- مقاصدِ تعلیم کسی بھی معاشرے کے..................سے ماخوذ ہوتے ہیں۔

ii- تعلیم کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ طالب علم تعلیم کے نتیجے میں..................کو پہچان سکے۔

iii- تعلیم افراد اور معاشرہ کو عالمی قیادت کے منصب کے لیے..................بناتی ہے۔

iv- تعلیم کا ایک مقصد..................افراد تیار کرنا بھی ہے۔

v- تعلیم کا ایک مقصد یہ ہے کہ..................اپنے خاندان، ماحول اور معاشرے میں ایک فرد کی حیثیت سے اپنا مقام پیدا کرے۔

vi- انسانی شخصیت میں اس کے..................کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

vii- باہمی تعاون سے معاشرے میں..................اور مل جل کر رہنے کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے۔

viii- تعلیم کے مقاصد میں طالب علم کی..................کی تشکیل کا اہتمام ہونا چاہیے۔

ix- تعلیم کا مقصد صرف پڑھے لکھے بے روزگاروں کی کھیپ تیار کرنا نہیں بلکہ ملکی اور بین الاقوامی

x- ضروریات کے مطابق..................کے حامل افراد تیار کرنا ہے۔

انشائیہ حصہ

4- نظامِ تعلیم کی تعریف کریں اور اس کے بڑے بڑے عناصر کے نام لکھیں۔ ان میں سے اہم ترین عنصر کی وضاحت کریں۔

5- نظامِ تعلیم میں مقاصدِ تعلیم کے مقام اور حیثیت کا تعین کیجیے۔

6- مقاصدِ تعلیم سے کیا مراد ہے۔ پاکستان میں نظامِ تعلیم کے مقاصد کے تعین میں کن باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے؟

7- روحانی واخلاقی مقاصدِ تعلیم کی تفصیل بیان کریں۔

8- تعلیم کے ذہنی اور علمی مقاصد تفصیل سے بیان کریں۔

9- تعلیم کے معاشی و پیشہ ورانہ مقاصد بیان کیجیے۔

تیسرا باب

تعلیم کی بنیادیں

(Foundations of Education)

تعلیم ایک جامع لفظ ہے جس کا وسیع مفہوم ہے۔ تعلیم کے ذریعے جہاں طالب علم کو معلومات اور مہارتیں سکھائی جاتی ہیں اور اسے حقائق سے آگاہ کیا جاتا ہے وہاں اس کی تعلیم وتربیت بھی کی جاتی ہے۔ تعلیم میں وہ تمام معلومات اور تجربات شامل ہیں جو بنی نوع انسان نے آغاز انسانیت سے آج تک تاریخ کے مختلف ادوار میں نسل در نسل منتقل کر کے ہم تک پہنچائے ہیں۔

عمل تعلیم خلا میں سرانجام نہیں پاتا بلکہ یہ انسانی معاشرے اور قومی نظریہ حیات کی روشنی میں تربیت پا کر عمل کے سانچے میں ڈھلتا ہے۔ ہر قوم پہلے اپنا نظریہ حیات طے کرتی ہے پھر اس کے مطابق نئی نسل کے لیے نظام تعلیم متعین کرتی ہے۔ کسی بھی قوم کے طرز فکر، طرزِ عمل اور اخلاقی اقدار اور روایات کے مجموعہ کو نظریہ حیات کہا جاتا ہے گویا کسی قوم کا زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر، اس کا قومی نظریہ حیات قرار پاتا ہے۔ عمل تعلیم اور تعلیمی نظام کو قومی نظریہ حیات سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اس لحاظ سے تعلیم، قومی نظریہ حیات کی نسلِ نو تک منتقلی کا عمل ہے۔

تعلیم کی چار مندرجہ ذیل اہم بنیادیں (Foundations) ہیں:۔

1- نظریاتی بنیادیں (Ideological Foundations)

2- فلسفیانہ بنیادیں (Philosophical Foundations)

3- نفسیاتی بنیادیں (Psychological Foundations)

iv- سماجی اور معاشی بنیادیں (Sociological & Economical Foundations)

ان چاروں بنیادوں کو زیرِ بحث لانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ کسی قوم کا نظریہ حیات کیا ہے جس سے ان بنیادوں کے تصورات جنم لیتے ہیں۔

1- نظریاتی بنیادیں

کوئی بھی نظریہ حیات، زندگی کے بارے میں چند بنیادی سوالات کے جوابات کے نتیجے میں وجود میں آتا ہے مثلاً اس کائنات کا خالق کون ہے؟ کائنات میں انسان کا مقام کیا ہے؟ اس کائنات اور انسان کی تخلیق کا کیا مقصد ہے؟ کیا موت کے بعد دوبارہ زندگی ہے یا موت ہی اس زندگی کا انجام ہے؟ اگر ان کا خالق ہے تو اس خالق کے ساتھ انسان کا رشتہ کیا ہے؟

یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جن کے صحیح جوابات کی روشنی میں نظریہ حیات کا تعین ہوتا ہے اور اس سے افرادِ معاشرہ کے لیے عملِ تعلیم کی بنیادیں طے ہوتی ہیں۔

اسلامی نظریۂ حیات

پاکستان ایک اسلامی ملک ہے لہٰذا اسلامی نظریہ حیات کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ مادی کائنات، اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آئی ہے۔ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور انسان کو جاننے، سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں عطا کیں۔ نیکی اور بدی کی تمیز دی۔ اُسے اپنی سوچ، ارادے اور عمل کی آزادی دی۔ اس کائنات میں تصرف کے اختیارات بخشنے کا مقصد آزمائش اور امتحان ہے کہ وہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو مان کر اور نافذ کر کے اس کائنات کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ڈھالے۔

اسلامی نظریۂ حیات زندگی کو دین اور دنیا کے دو علیحدہ علیحدہ خانوں میں تقسیم نہیں کرتا بلکہ وہ زندگی کو ایک وحدت قرار دے کر پوری زندگی کو اللہ کی اطاعت میں بسر کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ انسان جسم اور روح کا مرکب ہے، جسم اور روح آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ اسلامی تصور کی رو سے، مادیت اور روحانیت کی وحدت سے انسانی شخصیت تشکیل پاتی ہے۔ اسی وحدت سے انسانی زندگی کے تمام شعبوں کی تعمیر وتشکیل ہوتی ہے۔ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، معاشرتی ہوں یا تمدنی، معاشی ہو یا سیاسی۔ اس نظریۂ حیات کی رو سے زمین میں خدا کے حکم اور قانون کا نفاذ اور انسانی زندگی کو رضائے الٰہی کے تابع کرنا ہے۔ اسلامی نظریۂ حیات، زندگی کے تمام شعبوں کی طرح تعلیم کے شعبے کو بھی اپنے دائرہ کار میں شامل کرتا ہے اور اپنے مخصوص تقاضوں کے مطابق نظام تعلیم کی تشکیل کرتا ہے۔

انسان کا مقصدِ تخلیق اطاعت الٰہی ہے۔ انسان اپنی زندگی میں اللہ کی طرف سے رہنمائی اور تربیت کا محتاج ہے، یہ ہدایت انبیاءؑ کے ذریعے انسانوں کو عطا ہوئی ہے۔ یہ ہدایت قرآن مجید اور سنت رسول کی صورت میں موجود ہے۔ انسان ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں جوابدہ ہے اور قیامت کے روز یہ جوابدہی لازمی ہے۔

اسلامی تعلیم کا تصور

اسلامی نقطۂ نگاہ سے تعلیم انسان کی سیرت کی تعمیر وتشکیل اس انداز سے کرتی ہے کہ وہ خلافت الٰہی کے منصب پر فائز ہو سکے۔ ایک طرف وہ اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہو کر انہیں سرانجام دے سکے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکے، گویا اسلامی تعلیم، خلیفۃ اللہ فی الارض کا شعور پیدا کرنے اور اس کے لیے تیاری کا نام ہے۔ اسلامی تصور تعلیم، عام تعلیم سے اسی لحاظ سے مختلف ہے کہ عام تعلیم انسان کو معاشرے کے ایک شہری کی حیثیت سے تیار کرتی ہے جب کہ اسلامی تعلیم اسے ایک مسلمان شہری کی حیثیت سے تیار کرتی ہے۔

اسلامی تعلیم انسان کے بنیادی تصورات واعتقادات کو اسلامی احکامات کی روشنی میں درست کرتی ہے۔ اس کی سیرت وکردار کو اسلامی نقطۂ نظر سے سنوارتی ہے، اس کا تزکیہ نفس کرتی ہے اور خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے اپنی انفرادی واجتماعی زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں، بحیثیت مسلمان بسر کرنے کے قابل بناتی ہے، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل کر کے جنت کا مستحق قرار پائے۔

اسلامی تعلیم انسان کو خدا شناس، خود شناس اور کائنات شناس بناتی ہے۔ معرفتِ الٰہی یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور اس کے احکام کو جاننا اور پہچاننا، اسلامی تعلیم کی اہم بنیاد ہے۔ اسی طرح انسان کے ذہن میں اللہ کی بندگی کا تصور راسخ کرنا اور کائنات کے حقائق کو سمجھ کر، اس کائنات اور اس میں موجود قوتوں پر اللہ کی رضا کے مطابق حکمرانی کی صلاحیت پیدا کرنا، اسلامی تعلیم کا مقصود ہے۔ اسلامی تعلیم کا مرکز ومحور معرفت الٰہی، اطاعتِ الٰہی اور رضائے الٰہی کا حصول ہے۔

اسلامی تعلیم ہدایت الٰہی کی روشنی میں، انسان کی روحانی، ذہنی، جذباتی، جسمانی، معاشی اور معاشرتی صلاحیتوں کو جلا بخش کر، اس کی شخصیت کی جامع اور متوازن نشوونما کرتی ہے۔

تعلیم کی اسلامی بنیادیں

تعلیم کی اسلامی بنیادوں میں مندرجہ ذیل نکات نہایت اہم ہیں:۔

1- اسلامی نقطۂ نظر سے حقیقت اصلیہ (Ultimate Reality) اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ علم کا حقیقی سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے۔ سب سے اعلیٰ اور قطعی ذریعہ علم وحی الٰہی ہے جو حقیقی سرچشمہ علم اور حقیقت مطلقہ تک رسائی میں مدد دیتا ہے۔

2- اسلامی تعلیم کا اساسی نکتہ یہ ہے کہ یہ کائنات خود بخود پیدا نہیں ہوئی بلکہ کائنات کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے منصوبے، ارادے اور علم کی بنیاد پر ہے۔ انسان کا مقام خلیفہ اور نائب کا ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد بندگی رب ہے اور اپنے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہے۔

3- سب سے اعلیٰ قدر رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ تعلیم کی اسلامی تشکیل وتنقید میں اصل نقطۂ نظر ہی یہ ہے کہ انسان اللہ کا اطاعت شعار بن جائے۔

4- اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے، اسلام زندگی کو دین ودنیا کے دو حصوں میں تقسیم نہیں کرتا بلکہ وہ انسان کو ایک کل کی حیثیت سے ایک جامع زندگی کے لیے تیار کرتا ہے گویا مادہ وروح کی الگ الگ حیثیت کی بجائے دین ودنیا کی وحدت کا قائل ہے۔

5- اسلام کی اساس وہ بنیادی تصورات اور عقائد ہیں۔ جس سے اسلامی نظریہ حیات تشکیل پاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اخلاقی، معاشرتی اور معاشی تجربات بھی ضروری ہیں۔

6- اسلامی تعلیم کے چار بنیادی عناصر تلاوتِ آیات، تزکیۂ نفس، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت ہیں۔

7- تعلیمی مقاصد، نصاب تعلیم، حکمتِ تدریس اور سارے عمل تعلیم کا فکری سرچشمہ قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں عملِ تعلیم کو بروئے کار لایا جائے گا۔ اسلامی تعلیم کی تیار کردہ شخصیت دینی ودنیوی علوم کی حامل ہوگی اور وہی اسلامی ریاست میں قیادت کا فریضہ سرانجام دے گی۔

8- دین کی سربلندی، ملک اور ملت اسلامیہ کا تحفظ اور دعوتِ دین اسلامی تعلیم کی روح ہے۔

9- اسلامی تعلیم، معاشرے کے تمام افراد کے لیے یکساں مواقع فراہم کرنے کا تقاضا کرتی ہے تاکہ تمام لوگ اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق تعلیم وتربیت پاسکیں۔

10- اسلامی تعلیم کی اہم فکری اساس، آخرت کی فلاح کا حصول ہے۔

اسلام میں تعلیم کی اہمیت

اسلام دین فطرت ہے، یہ واحد دین ہے جس نے تعلیم پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ بنیادی طور پر اسلام، تعلیم وتربیت کا

Set2 Side A 12/16/2007 AlmeaTaleem Education 11

ایک نظام ہے۔ جس کی عمارت کی پہلی اینٹ لفظ ''اقراء'' سے اٹھائی گئی جس کے معنی ''پڑھنا'' ہیں۔
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا آغاز اسی لفظ سے ہوا اور پہلی وحی میں تعلیم سے متعلق الفاظ کی پانچ مرتبہ تکرار سے تعلیم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اسلام میں تعلیم کی اہمیت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ تخلیق آدمؑ کے وقت فرشتوں کا اللہ تعالیٰ سے جو معاملہ ہوا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر آدمؑ کی فضیلت کے لیے ان کی تعلیم کی صلاحیت کا ذکر فرمایا، جو فرشتوں کو حاصل نہیں ہے۔ قرآن مجید میں علم اور تعلیم کے حوالے سے بے شمار آیات اور الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

1- ترجمہ: ''تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جنھیں علم بخشا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرماتا ہے۔'' (المجادلہ: 11)

اسی طرح فرمایا:

2- ترجمہ: ''اللہ نے خود شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور یہی شہادت فرشتوں اور سب اہلِ علم نے دی ہے۔'' (آل عمران: 18)

علم وعلما کی فضیلت وشرف کی نشاندہی قرآن مجید کی ان آیات سے ہوتی ہے۔ فرمایا۔

3۔ ترجمہ: ''اے پیغمبر! ان سے پوچھئے کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے کہیں برابر ہو سکتے ہیں۔'' (الزمر: 9)

حضور نبی کریم ﷺ کو یہ دُعا سکھائی گئی۔

''رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً'' (طٰہٰ: 114)

4- ترجمہ: ''اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔''

ان آیات کریمہ کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے، کہ اسلام میں پڑھنا اور پڑھانا روزِ اوّل سے خصوصی اہمیت کا حامل رہا ہے۔

حصول علم اور اشاعتِ علم اسلام کا بنیادی تقاضا ہے۔ اسلام میں عملِ تعلیم کی عظمت کا اندازہ اس ارشاد نبوی ﷺ سے لگایا جاسکتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔

1- ''معلم بن جاؤ یا متعلم اور تیسری حالت اختیار نہ کرو۔'' (مشکوٰۃ المصابیح)

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کے منصب رسالت کے تذکرہ میں واضح طور پر تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وظائف میں شمار فرمایا۔

حضور اکرمؐ نے اپنے لیے جس حیثیت کا اظہار فرمایا وہ یہ تھی:

2۔ ''مجھے تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

حضور نبی کریم ﷺ نے قرآنِ حکیم کی تعلیم وتدریس کی اہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

3- ''تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرے اور پھر اس کی تعلیم دے۔'' (ابن ماجہ)

4- آپؐ کے ارشادات میں طالب علم اور معلم دونوں کے لیے بڑی بشارتیں ہیں مثلاً یہ کہ ''طالب علم کے استقبال کے لیے فرشتے

اپنے پر بچھاتے ہیں اور معلّم کے لیے کائنات کی ہر شے دعائے خیر کرتی ہے۔" (مشکوٰۃ المصابیح)

5- "جو آدمی علم کی تلاش میں نکلتا ہے۔ وہ فی سبیل اللہ جہاد میں ہوتا ہے۔ جب تک وہ واپس نہ آئے۔" (مشکوٰۃ المصابیح)

6- "اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، تمام آسمانی مخلوق حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں سمندر میں انسانیت کے معلمین کے لیے دعا کرتے ہیں۔"

7- "علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔" (المعجم الاوسط)

ان آیات کریمہ اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علم، تعلیم اور معلم کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے۔

ذرائع علم (Sources of Knowledge)

تعلیم کے عمل میں، بنیادی طور پر انسانی زندگی میں حاصل شدہ مشاہدات و تجربات نئی نسل تک پہنچائے جاتے ہیں۔ یہ تجربات و مشاہدات علم کی صورت میں مرتب ہوتے ہیں۔ علم سے مراد کسی بھی شے کا جاننا، پہچاننا، سمجھنا یا اس کے متعلق معلومات حاصل کرنا ہے۔ ان اشیاء میں مادی اشیاء بھی شامل ہیں اور غیر مادی اشیاء بھی، جن کا تعلق اس دنیا کی زندگی کی بجائے آخرت کی زندگی سے ہے جو انسان کی نظروں سے اوجھل ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ علم اگر معتبر یعنی قابل اعتبار ہو اور اس علم سے کسی چیز کی اصل حقیقت معلوم ہو جائے تو یہ علم انسان کی زندگی کے لیے مفید اور کارآمد ہے۔ لیکن اگر مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والا علم، شک اور قیاس پر مبنی ہو، تو ایسا علم، انسان کو حقیقت سے آگاہ کرنے کی بجائے اسے گمراہ کر سکتا ہے۔ اس لحاظ سے علم کے ذرائع کی بڑی اہمیت ہے۔

انسان نے آج تک جو علم حاصل کیا ہے مندرجہ ذیل پانچ ذریعوں سے حاصل کیا ہے۔

i- حواس خمسہ (Five Senses)   ii- عقل (Intellect)

iii- وجدان (Intuition)   iv- اسناد و روایات (Authority & Traditions)

v- وحی (Revelation)

i- حواس خمسہ (Five Senses)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم کے حصول کے لیے پانچ حواس عطا فرمائے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ دیکھنے کی حس (Sense of sight)   ب۔ سننے کی حس (Sense of hearing)

ج۔ سونگھنے کی حس (Sense of smelling)   د۔ چھونے کی حس (Sense of touch)

ر۔ چکھنے کی حس (Sense of taste)

انسان ان پانچ حواس کی مدد سے مادی اشیا کا علم حاصل کرتا رہا ہے اور ہمارے ذخیرۂ علم کا بہت بڑا حصہ ان پانچ قوتوں کی مدد سے حاصل شدہ علم ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم، مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہوتا ہے جبکہ مشاہدہ اور تجربہ ان پانچ حواس سے کیا جا سکتا ہے۔

اسلام بھی اس ذریعہ علم سے فائدہ اٹھانے پر زور دیتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں جابجا اس زمین پر چل پھر کر دیکھنے اور کائنات کا مشاہدہ کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ البتہ اسلام یہ بات بھی واضح کرتا ہے کہ حواس کی مدد سے صرف مادی کائنات (Material Universe) کا علم حاصل ہو سکتا ہے۔ مادی کائنات کے علاوہ اور اس سے پرے کی دنیا کے متعلق حواس کی مدد سے علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ نیز تجربہ و مشاہدہ کی بنا پر حاصل شدہ علم یقینی نہیں ہے۔ نئے حالات اور آلات کی مدد سے تجرباتی و مشاہداتی علم میں تبدیلی آتی رہی ہے اور آئندہ بھی اس کا امکان رہتا ہے۔ تاہم اس ذریعہ علم کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

-ii عقل (Intellect)

علم کے حصول کا دوسرا ذریعہ انسانی عقل ہے۔ انسان حواسِ خمسہ کی مدد سے جو معلومات حاصل کرتا ہے عقل کے ذریعے ان معلومات کا تجزیہ اور تعبیر کی جاتی ہے۔ تجربہ و مشاہدہ سے حاصل شدہ معلومات کو ترتیب دے کر ان پر غور و فکر کرنا اور ان سے نتائج اخذ کرنا عقل کا کام ہے۔

عقل نہ ہو تو یہ معلومات بے کار ہیں انسانی تاریخ میں عقلی علوم کو اہم مقام حاصل رہا ہے۔ البتہ عقلی علوم کے نتائج بھی قطعی اور یقینی نہیں ہوتے بلکہ امکانی ہوتے ہیں۔ یہ نتائج درست بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل کو مہیا کی جانے والی معلومات حواس خمسہ کی مدد سے حاصل ہوتی ہیں جو ناقص بھی ہو سکتی ہیں اس کے علاوہ خود عقل بھی ٹھوکر کھا سکتی ہے اور فراہم کردہ معلومات سے غلط نتیجہ اخذ کر سکتی ہے۔ اس طرح بہت سی ایسی موجودات ہیں جو عقل کے دائرے میں نہیں آ سکتیں مثلاً خدا، فرشتے، جنت اور دوزخ وغیرہ محض عقل سے سمجھنا ممکن نہیں۔ تاہم عقل کی نارسائی کے باوجود، یہ ایک مفید ذریعہ علم ہے۔ اگر تعصبات سے بالاتر ہو کر درست حقائق پر غور و فکر کے لیے عقل کو مناسب طریقے سے استعمال کیا جائے تو صحیح نتائج تک پہنچنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ چنانچہ اسلام نے اس ذریعہ علم کو مفید قرار دیا ہے اور قرآن حکیم میں بار بار کائنات اور مظاہر کائنات کے بارے میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔

-iii وجدان (Intuition)

اگر کسی مسئلے کا حل بغیر کسی غور و فکر، سوچ بچار اور کوشش کے، اچانک انسان کے ذہن میں آ جائے تو اس طرح ہونے والے علم کا ذریعہ وجدان کہلاتا ہے۔ بعض اوقات انسان کئی سالوں تک مسئلے کا حل معلوم نہیں کر پاتا مگر اچانک اس کے دل میں ایک روشنی (Flash of Light) نمودار ہوتی ہے اور اسے مسئلہ کا حل معلوم ہو جاتا ہے۔ وجدان، انسانی دل پر القا ہونے والا علم ہے۔ سائنس کی بے شمار ایجادات اور نظریات اسی ذریعہ علم کا کرشمہ ہیں۔ اس کی نمایاں مثالیں اُصولِ ارشمیدس، نیوٹن کا کششِ ثقل کا قانون اور آئن سٹائن کے نظریہ اضافت کی دریافت ہے۔

اگر چہ یہ ذریعہ علم مفید ہے اور انسانی تاریخ میں علم کے حصول میں مددگار ثابت ہوا ہے۔ مگر اس ذریعۂ علم کے نتیجے میں امکانی علم حاصل ہوتا ہے جو صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی۔ اس لیے کہ وجدان کا فہم اور تعبیر بھی ایک مسئلہ ہے۔ وجدانی علم صرف اس صورت میں قابل قبول ہو سکتا ہے جب تجربہ و مشاہدہ، عقل سلیم اور وحی الٰہی سے اس کی تصدیق ہو جائے وجدانی علم ایک وہم ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے اور درست بھی۔

-iv اسناد و روایات (Authority & Traditions)

علم کے حصول کا ایک ذریعہ آباؤ اجداد کی طرف سے سینہ بہ سینہ یا کتب کی شکل میں وہ روایات ہیں جو ایک نسل سے دوسری نسل

تک منتقل ہوتی رہی ہیں۔ اسی طرح مختلف شعبہ ہائے علوم کے ماہرین کی آراء بطور سند پیش کی جاتی ہیں اور عوام ان روایات و اسناد کو علم کے ذریعے کے طور پر تسلیم کر لیتے ہیں۔ ان روایات میں سے بعض عقل سلیم کے لیے قابل قبول ہوتی ہیں اور بعض عجیب و غریب، بہر حال اسنادی علم میں صحت اور غلطی دونوں کا امکان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس ذریعہ علم کو بالکل رد تو نہیں کیا لیکن محض آباؤ و اجداد کی روایات کی سند پر کسی تصور یا عمل کی صحت پر اصرار کو درست قرار نہیں دیا۔ ایسی روایات اگر عقل سلیم اور ہدایتِ الٰہی کے معیار پر پوری اتریں تو انہیں قبول کیا جائے گا ورنہ انھیں مسترد کر دیا جائے گا۔

v- وحی (Revelation)

علم کے حصول کا سب سے معتبر اور یقینی ذریعہ وحی ہے۔ اللہ تعالیٰ حقیقی علم کا سرچشمہ ہے۔ اس کا علم ہر کسی قسم کی خطا سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ذاتی علم میں سے ایسا علم جو انسانی ہدایت اور راہنمائی کے لیے درکار ہے، اپنے بندوں یعنی انبیاء علیہم السلام کو خصوصی ذریعے سے پہنچاتا ہے۔ یہ علم آسمانی کتابوں کی صورت میں یا صحیفوں کی شکل میں موجود رہا ہے۔ تمام آسمانی کتابیں برحق ہیں۔ البتہ ان میں صرف ایک کتاب محفوظ ہے جو مسلمانوں کے پاس قرآن مجید کی شکل میں موجود ہے۔ باقی تمام کتابیں اپنے اپنے زمانے میں تو محفوظ رہی ہیں مگر آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بعد ان کی ضرورت نہیں رہی۔ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

"بے شک اس ذکر (قرآن مجید) کو ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں۔" (الحجر: 9)

قرآن مجید میں انسان کی ہدایت کے لیے تمام اصول، حقائق اور احکام موجود ہیں اور قیامت تک کے انسانوں کے لیے یہی ہدایت کا واحد سرچشمہ ہے۔ اس کی تعلیمات میں ذرہ بھر شک کی گنجائش نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "یہی وہ کتاب ہے، جس میں کوئی شک نہیں۔" (البقرہ: 2)

اوپر کی بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علم کے مختلف ذرائع ہیں اور ان تمام ذرائع سے کسی نہ کسی حد تک استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے صرف ایک ذریعۂ علم یعنی وحی کی صحت قطعی اور حتمی ہے۔ باقی تمام ذرائع سے حاصل ہونے والا علم امکانی ہے، وہ غلط بھی ہو سکتا ہے اور درست بھی۔ حتمیت اور قطعیت صرف وحی کو حاصل ہے۔

البتہ اسلام، دیگر ذرائع علم میں سے کسی بھی ذریعہ علم کو مکمل طور پر رد نہیں کرتا بلکہ وہ انھیں وحی کے تابع قرار دیتا ہے۔ ان تمام ذرائع سے حاصل کردہ علم کو وحی پر جانچا اور پرکھا جائے گا۔ اگر وہ وحی کے مطابق ہوگا تو اسے قبول کیا جائے گا اور قابل اعتبار ہوگا لیکن اگر وحی کے مخالف یا متصادم ہوگا تو اسے مسترد کر دیا جائے گا۔

2- تعلیم کی فلسفیانہ بنیادیں

فلسفہ تعلیم کی انتہائی اہم بنیاد ہے۔ فلسفہ کے بغیر انسانی زندگی کا سمجھنا ناممکن ہے۔ فلسفہ، زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق تصورات اور فکری بنیادیں مہیا کرتا ہے۔ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ تعلیم معاشرے کے فلسفۂ حیات کے تابع ہوتی ہے۔ کسی بھی نظام تعلیم کی فکری بنیاد فلسفہ ہی سے حاصل ہوتی ہے اور اسی بنیاد پر نظام تعلیم کے تمام عناصر مثلاً مقاصد تعلیم، تدوین نصاب، حکمت تدریس، انتظام و انصرام تعلیم استوار ہوتے ہیں۔ خاص طور پر مقاصد تعلیم کا تعین، کسی قوم کے نظریۂ حیات سے ہوتا ہے جب کہ نظریۂ حیات،

ان فلسفیانہ افکار سے ماخوذ ہوتا ہے جو کسی قوم نے حقیقت اور سچائی کی حیثیت سے درست تسلیم کر رکھے ہوں۔اس لیے یہ ضروری ہے کہ تعلیم کی بنیادوں میں فلسفہ کی تعلیمی اہمیت کو اجاگر کیا جائے۔اس کے لیے فلسفہ کا مفہوم اور اس کا دائرہ کار بیان کرنا ضروری ہے۔

فلسفہ کا مفہوم

فلسفہ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی ہیں۔حبّ دانش (Love for Wisdom)۔

حقیقت اور صداقت تک رسائی کی جدوجہد اور کوشش جو انسانی عقل کی بنیاد پر کی جائے،فلسفہ کہلاتی ہے۔

انسان فطرتاً تجسس پسند ہے کائنات کی تخلیق اور اس میں پائی جانے والی اشیاء کی اصل حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہے۔ان حقائق کو سمجھنے کے لیے انسان ،غور وفکر اور عقلی استدلال سے کام لیتا ہے گویا انسانی عقل کی بنیاد پر ،غور وفکر اور منطقی استدلال کے ذریعے حقیقت اور سچائی کی تلاش کے لیے انتہائی کوشش کا نام فلسفہ ہے۔

فلسفیانہ حقائق کی تلاش کے لیے فلسفیانہ طریق کار اختیار کیا جاتا ہے، جو عام طریق تحقیق سے مختلف ہے۔فلسفیانہ طریق کار میں دو باتیں ذہن نشین رہنی چاہییں۔

اول یہ کہ فلسفہ کا طریق مطالعہ،انسانی عقلی غور وفکر پر مشتمل ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ فلسفہ کا موضوع مطالعہ صرف ظاہری حقائق یا جزوی نہیں ہوتا بلکہ یہ مطالعہ انتہائی ،کلی اور حقیقت اصلیہ (Ultimate Reality) تک پہنچنا ہوتا ہے۔

حقیقت اصلیہ تک رسائی کی کوشش ،فلسفہ کا اصل موضوع ہے۔حقیقت اصلیہ سے مراد ایسا وجود ہے جو بذاتِ خود قائم ہو۔وہ اپنے وجود کے لیے کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو اور باقی تمام موجودات اپنے وجود (Existance) کے لیے اس کے محتاج ہوں۔

مثال کے طور پر اسلامی نقطہ نظر سے حقیقت اصلیہ ،اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔اللہ تعالیٰ خود کسی کا محتاج نہیں ہے لیکن باقی تمام مخلوقات ،انسان اور پوری کائنات اپنے وجود کے لیے اللہ کے محتاج ہیں۔وہ جب تک چاہے گا، انسان اور کائنات کا وجود رہے گا اور جب اللہ کا حکم ہوگا تو یہ دونوں فنا ہو جائیں گے۔

اس مثال میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہم حقیقت اصلیہ کہیں گے جب کہ انسان اور کائنات حقیقت ظاہریہ ہیں یعنی ان کے وجود سے انکار تو نہیں لیکن ان کا وجود اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم ہے۔اس طرح فلسفہ حقیقت ظاہریہ اور حقیقت اصلیہ تک پہنچنے اور اشیاء کی حقیقت کا فہم حاصل کرنے کی کوشش ہے۔اس کوشش میں عقلی استدلال اور تفکر وتدبر ضروری ہے۔

فلسفہ کا دائرہ عمل

فلسفہ کے مفہوم سے اس کے دائرہ عمل کی وسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔آج کے سائنسی دور میں سائنسی ایجادات نے انسانی زندگی کا چال چلن بدل کر رکھ دیا ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ سائنسی علوم کا دائرہ کار طبعی اور مادی دنیا تک محدود ہے۔سائنس حقیقت اصلیہ کے ادراک سے عاجز ہے۔فلسفہ اور مذہب اس مادی کائنات سے آگے بڑھ کر عالم حقیقی کا ادراک حاصل کرنا چاہتے ہیں اور یہ دونوں صرف کائنات ہی نہیں بلکہ خالق کائنات کی پہچان اور معرفت کو اپنا نصب العین قرار دیتے ہیں۔

دوسرے تمام علوم ،اشیا کی حقیقت کے مختلف اجزا کو علیحدہ علیحدہ جاننے تک محدود ہیں اور وہ اشیا کے ظاہری روپ کو سمجھتے ہیں

اور اس کے استعمال پر اپنی توجہ مرکوز کرتے ہیں جب کہ فلسفہ حقیقت کی مجموعی حیثیت کو اور اپنے اصلی روپ میں جاننا اور سمجھنا چاہتا ہے۔

فلسفہ کا یہ موضوع تصورِ حقیقت (Ontology) کہلاتا ہے جس میں انسان، کائنات، خالقِ کائنات اور ان تینوں کے باہمی تعلق کی حقیقت واضح کی جاتی ہے۔ ان تینوں تصورات کو صحیح طور پر جاننے اور سمجھنے سے انسانی زندگی کا تصور واضح ہوتا ہے۔

فلسفے کا دوسرا موضوع تصورِ اقدار (Axiology) ہے، یہ انسانی زندگی کا ایک ایسا میدان ہے جسے ہم قدریات کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ انسانی زندگی کے لیے اور خود انسان کی تسکین کے لیے انسانی اخلاقیات و اقدار سے زندگی کی مقصدیت واضح ہوتی ہے۔ اقدارِ حیات کے تعین میں فلسفہ ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کے لیے خیر کیا ہے اور شر کیا ہے؟ کیا چیز جائز ہے؟ اور کیا ناجائز؟ اچھائی کیا ہے؟ اور برائی کیا؟

ان سوالات کا دائرہ، اشیا کے استعمال سے لے کر انسانی رویوں، جذبات اور روابط تک وسیع ہے اور اپنی روزمرہ زندگی میں ہر انسان کو مسلسل، ان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان تمام سوالات کا جواب فلسفہ مہیا کرتا ہے گویا معیارِ خیر و شر اس موضوع کے تحت زیرِ بحث آتا ہے۔

فلسفہ کا تیسرا موضوع تصورِ علم (Epistemology) ہے۔ اسے علمیات بھی کہا جا سکتا ہے۔ معاملہ حقیقت اصلیہ کے ادراک کا ہو یا وجودیات کا، قدریات کا ہو یا اخلاقیات کا، فوری طور پر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی وجود کے برحق ہونے یا کسی قدر کے مطلوب یا غیر مطلوب ہونے کا ہمارے پاس آخر معیار کیا ہے؟ اس علمی معیار کا تعلق فلسفہ کے مطالعہ سے ہے۔ فلسفہ کا یہ پہلو علم کی حقیقت واضح کرتا ہے۔ فلسفہ ہی ہمیں بتاتا ہے کہ علم کا سرچشمہ کیا ہے؟ علم کے ذرائع کون کون سے ہیں؟ اور ان مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والا علم کس حد تک قابلِ اعتماد ہے؟

یہ فلسفہ کی اہم ترین بنیاد ہے۔ ہر قوم اپنے فلسفہ حیات کے مطابق اپنا نظریۂ حیات اپناتی ہے اور معاشرے میں اس نظریۂ حیات کے مطابق زندگی کے مختلف شعبوں کی تشکیل عمل میں لاتی ہے۔

فلسفہ اور مذہب کا تعلق

فلسفہ اور مذہب کے موضوعات ایک ہیں۔ فلسفہ بھی حقیقت کی تلاش اور صداقت تک رسائی کی کوشش کرتا ہے جب کہ مذہب بھی انہی موضوعات کو زیرِ بحث لا کر انسانی زندگی کے لیے نظریہ اور لائحہ عمل تجویز کرتا ہے۔ فلسفہ اور مذہب میں بنیادی فرق یہ ہے کہ فلسفہ محض عقل اور عقلی استدلال پر استوار ہوتا ہے۔ انسانی عقل لاکھ اعلیٰ سہی، بہر حال اس میں غلطی کا امکان اور شائبہ موجود ہے۔ اسی طرح عقلی استدلال سے حقیقت اور صداقت تک درست رسائی ضروری نہیں۔ چنانچہ شک فلسفہ کو امکان کی حد تک محدود کرتا ہے۔ جب کہ مذہب کی بنیاد، انسانی عقل کے ساتھ ساتھ الہامی تعلیمات پر ہوتی ہے اس میں علم کا سرچشمہ بالاتر ذات (اللہ تعالیٰ) قرار پاتی ہے اور الہام و وحی اس کا معتبر ذریعہ علم ہوتے ہیں جو ہر قسم کے شک سے پاک ہوتے ہیں۔

لیکن یہ بات پیشِ نظر رہے کہ مذہب محض اندھی تقلید کا نام نہیں۔ الہامی تعلیمات ان حقائق کو آشکار کرتی ہیں جن تک عام انسانوں کی رسائی نہیں ہو پاتی، چنانچہ انبیاؑ کو خصوصی ذریعہ علم (وحی) عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے منصب پر انھیں فائز کیا ہے اور انہوں نے اپنے اپنے زمانوں میں انسانوں کے لیے نظریۂ حیات، بنیادی افکار، اخلاقی تعلیمات بلکہ پوری زندگی بسر کرنے کے لیے ضابطۂ حیات عطا کیا ہے اور انسانی تاریخ میں ایک تسلسل کے ساتھ انبیاؑ اور رسولوں کا سلسلہ جاری رہا ہے، اس سلسلۂ

نبوت کی آخری کڑی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کی تعلیمات قیامت تک برحق اور محفوظ ہیں اور بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ فلسفیانہ طریق کار مذہبی افکار، عقائد، عبادات اور اخلاقیات کے فہم و ادراک میں مفید ثابت ہوسکتا ہے اور ہر زمانے میں منطق و استدلال کے ذریعے ان حقائق کو اجاگر کر کے اسلام کی حقانیت واضح کی جاتی رہی ہے، اس طرح فلسفہ، مذہب کے فہم و ادراک میں معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

فلسفہ اور رسم و رواج (Philosophy, Customs and Norms)

انسانی زندگی میں رسوم و روایات کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں روابط، جذبات کی تسکین، معاشرتی رویے اور انسانی تعلقات بڑے اہم ہیں۔ ان ضروریات کی تکمیل میں فلسفہ اور فلسفیانہ طریق کار اہم بنیادی حیثیت سے معاون ثابت ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اخلاقیات، روایات، تہذیب وتمدن کے ارتقا اور تخیل میں فلسفیانہ افکار ہی کو بنیاد بنایا جائے گا جو آگے چل کر طالب علم کی زندگی میں استواری اور تہذیب پیدا کر کے ایک کامیاب شہری کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے کے قابل بنائیں گے۔

فلسفہ اور تعلیم کا باہمی تعلق

فلسفہ اور تعلیم کا آپس میں تعلق ایسے ہے جیسے انسانی جسم میں روح و جان۔ عمل تعلیم کی مثال انسانی جسم کی سی ہے جب کہ فلسفہ کی مثال روح کی سی ہے۔ مسلسل رواں دواں ہوتا ہے جیسے جسم میں روح۔

اگر ہم فلسفہ اور تعلیم کی تعریفوں پر غور کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فلسفہ کی مدد سے جن حقائق اور صداقتوں تک رسائی ہوتی ہے، انہی حقیقتوں اور سچائیوں کو عمل تعلیم اور نظام تعلیم کے مختلف عناصر میں ڈھال کر طالب علموں کو ان حقائق سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ حقائق سے آگہی و شعور کا عمل ہی تعلیم ہے اور فلسفہ جن معیارات کا تعین کر کے انھیں قدریات اور اخلاقیات کا نام دیتا ہے، عملِ تعلیم کے ذریعے انہی اقدار و اخلاقیات کو طالب علم کی سیرت سازی اور تشکیل کردار کے لیے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ تعلیم، فرد کی تکمیلِ ذات، معاشرتی مطابقت اور ثقافتی ورثے کی نسل نو تک منتقلی کا عمل ہے۔ اس عمل کے لیے بنیادی حقائق اور صداقتیں فلسفہ مہیا کرتا ہے۔

تعلیم کا نظریاتی پہلو (Theoretical aspect) فلسفہ ہے اور عملی پہلو (Practical aspect) تعلیم ہے۔ یہ دونوں پہلو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ اگر فلسفہ نہ ہو تو عملِ تعلیم بے کار ہے اور تعلیم کے بغیر فلسفہ محض وہم ہے۔

اس لیے تعلیم اور نظام تعلیم کے لیے فلسفہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں یہ بات واضح کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم اور نظام تعلیم کی درستگی اور صحیح بنیادوں پر تشکیل کے لیے فلسفہ کا درست ہونا ضروری ہے۔ فلسفہ اور تعلیم کا باہمی تعلق اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ فلسفے کا عملی پہلو تعلیم ہے اور تعلیم کا نظریاتی پہلو فلسفہ ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک ہی شے کے دو رخ ہیں۔ تعلیم فلسفے کی تجربہ گاہ اور فلسفیانہ تصورات کی عملی تشکیل ہے۔

فلسفہ ایک ایسا محور ہے جس کے گرد پورا نظام تعلیم گردش کرتا ہے۔ فلسفہ کے ذریعے ہی نظام تعلیم کی اصلاح ممکن ہے۔ گویا فلسفہ اور تعلیم ہر لحاظ سے ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔ تعلیم کے بغیر فلسفہ باقی نہیں رہ سکتا اور فلسفے کے بغیر تعلیم ذہنی انتشار کے سوا کچھ نہیں۔

عملِ تعلیم میں فلسفہ کا کردار (Contribution of philosophy towards Education)

عملِ تعلیم میں فلسفہ قدم قدم پر رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ عملِ تعلیم اور نظامِ تعلیم کے تمام عناصر کو آپس میں مربوط، ہم آہنگ اور ہم رنگ بنانے میں فلسفہ انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ عملِ تعلیم میں فلسفیانہ طریق کار کا استعمال جو تعلیم کو سمجھنے اور اس کے مسائل کے حل کی تعبیر میں معاونت کرے فلسفۂ تعلیم کہلاتا ہے۔ فلسفۂ تعلیم کا تعلیمی عمل میں کردار مندرجہ ذیل نکات کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے:۔

1- جس طرح فلسفہ، انسانی زندگی کو مجموعی تناظر میں اور کلی حیثیت سے دیکھتا ہے اسی طرح فلسفۂ تعلیم، عملِ تعلیم پر بحیثیت مجموعی بحث کرتا ہے اور کلی حیثیت سے اس کے تعین اور استوار کرنے میں مدد دیتا ہے۔

2- نظامِ تعلیم کا اہم ترین عنصر مقاصدِ تعلیم ہے۔ مقاصدِ تعلیم کا تعین اس فلسفۂ حیات اور نظریۂ حیات کی روشنی میں کیا جاتا ہے جسے معاشرہ بحیثیت قوم قبول کرتا ہے چنانچہ ان مقاصدِ تعلیم کا تعین فلسفۂ تعلیم کے بتائے ہوئے اصولوں کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔

3- فلسفۂ تعلیم ، پورے نظامِ تعلیم میں بحیثیت روح کے جاری وساری رہتا ہے۔

4- فلسفۂ تعلیم تمام عناصرِ تعلیم کو آپس میں مربوط، منظم اور مترتب بنانے میں، ایک محور کی حیثیت رکھتا ہے۔ فلسفۂ تعلیم کے بغیر یہ عناصر یکجا اور مربوط نہیں رہ سکتے۔

5- تعلیم کا ایک اہم عنصر نصابِ تعلیم ہے۔ تعلیمی نصابات اور درسی کتب کی تدوین و تشکیل، مقاصدِ تعلیم پر مبنی ہوتی ہے۔ اس طرح فلسفہ نصاب سازی کے عمل میں اہم حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ موادِ نصاب (Content) میں بھی فلسفہ کی واضح چھاپ نظر آئے گی۔ مثال کے طور پر اگر کوئی فلسفہ حواسِ خمسہ ہی کو علم کا معتبر ذریعہ سمجھتا ہے تو اس فلسفے کے تحت بننے والے نصاب میں حواسِ خمسہ کے ذریعے حاصل شدہ علم اور ان سے متعلقہ مضامین کو مرکزی حیثیت ملے گی لیکن اس کے برعکس وحی الٰہی کو علم کا معتبر ذریعہ تسلیم کیا جائے تو ایسے نصابات اور موادِ نصاب میں قرآن و حدیث اور اس کے معاون علوم اور مضامین کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگی۔

6- حکمتِ تدریس بھی نظامِ تعلیم میں اہم عنصر ہے۔ اس سے مراد وہ تمام سرگرمیاں، عملی تدابیر اور وسائل ہیں جن کی مدد سے موادِ نصاب طلبہ تک پہنچایا جاتا ہے۔ حکمتِ تدریس میں بھی فلسفے کا کردار بڑا اہم ہے۔ حکمتِ تدریس، موادِ نصاب کے مطابق ہوتی ہے اور اس میں فلسفیانہ نقطۂ نظر پیشِ نظر رکھ کر تدریس کا انداز اختیار کرنا چاہیے۔ کیا طالب علم کے سامنے زیرِ بحث موضوع کے دونوں پہلو پیش کر دینا کافی ہے؟ اور اس کے قبول یا رد کرنے کا معاملہ طالب علم پر چھوڑ دیا جائے یا اس موضوع کا خاص پہلو طالب علم کے ذہن نشین کرایا جائے۔ اس طرح فلسفیانہ اندازِ فکر کے نتیجے میں تدریسی حکمتِ عملی میں فرق واقع ہو جاتا ہے مثلاً ترقی پسند فلسفہ میں علمی آزادی کو تدریسی حکمتِ عملی کے طور پر اپنایا جائے گا جب کہ روایت پسند فلسفہ میں ذہن سازی کو ترجیح دی جائے گی۔

7- تعلیمی عمل میں تنقید، تبصرہ اور تعبیر کا معاملہ بھی فلسفہ کے تحت ہوگا، جیسا فلسفۂ تعلیم ہوگا اسی انداز میں حقائق اور تصورات کی تعبیر و تشریح کی جائے گی۔

8- نظامِ تعلیم کی تشکیل و تنقید کے ساتھ ساتھ، اس میں اصلاح اور ارتقاء کے لیے بھی فلسفۂ حیات اور فلسفہ تعلیم رہنما ثابت ہوتا ہے۔ عملِ تعلیم اور نظامِ تعلیم کی اصلاح، واضح مقاصد اور ضروریات کے تحت ہونی چاہیے۔ ان مقاصد اور ضروریات کا تعین، فلسفیانہ افکار کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔

9- نظامِ تعلیم میں امتحانات و جائزہ کا عمل، مقاصدِ تعلیم کے حصول کی روشنی میں سرانجام پاتا ہے۔ اس جائزہ کے اصول اور بنیادی نکات، فلسفہ تعلیم کے حوالے سے طے کیے جاتے ہیں کہ کوئی نظامِ تعلیم مقاصدِ تعلیم کے حصول میں کس حد تک کامیاب ہے یا ناکام ثابت ہو رہا ہے۔

مندرجہ بالا نکات اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ فلسفہ تعلیم اور فلسفہ حیات کا تعلیمی عمل میں کس حد تک عمل دخل ہے۔

3- تعلیم کی نفسیاتی بنیادیں

نفسیات علم کا ایسا شعبہ ہے جس میں انسانی فطرت، رجحانات، ذہن اور اس کے طرزِ عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے بہت پیچیدہ (Complex) ہے اور ہر انسان اپنے طبائع، رجحانات، دلچسپیوں، صلاحیتوں اور ضروریات کے لحاظ سے دوسرے انسانوں سے کسی نہ کسی لحاظ سے مختلف ہے۔ انسانی فطرت، ذہانت اور رجحانات و جذبات کا مطالعہ بہت مشکل بھی ہے اور دلچسپ بھی۔

چنانچہ تعلیمی عمل میں جہاں قدم قدم پر مختلف شخصیتوں اور طبائع سے واسطہ پڑتا ہے، علمِ نفسیات کی مدد اور رہنمائی کی اشد ضرورت ہے۔

تعلیمی نفسیات

نفسیات کی وہ شاخ جو عمومی نفسیات سے اخذ شدہ اصول و ضوابط کا عمل تعلیم میں اطلاق کرتی ہے، تعلیمی نفسیات کہلاتی ہے۔

تعلیمی عمل کی کامیابی میں تعلیمی نفسیات کا کردار بڑا اہم ہے۔ تعلیمی عمل کے دوران، اساتذہ کے سامنے جو مسائل پیش آسکتے ہیں، ان سب کے حل کے لیے علم نفسیات مناسب اور مؤثر رہنمائی فراہم کر سکتا ہے۔ تعلیم افراد و معاشرہ کی متوازن نشوونما اور شخصیت کی ہمہ پہلو تکمیل کا نام ہے۔ اس عمل کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ تعلیم افراد و معاشرہ کی صلاحیتوں، نفسیاتی ضرورتوں سے ہم آہنگ ہو۔ نفسیات کی مدد سے تعلیمی عمل کی ماہیت کا مطالعہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح متعلم کی فطرت اور عمل تعلیم کی ماہیت کے مطالعہ سے تعلیمی عمل اور نظامِ تعلیم کی تنظیم و تشکیل کے لیے نفسیات کا علم ایک اہم اساس کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔

علمِ نفسیات اور تعلیم میں تعلق

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ایک منفرد شخصیت بنا کر دنیا میں پیدا کیا ہے۔ وہ اپنی وراثتی خصوصیات کے ساتھ ساتھ اپنے گھر، ماحول اور معاشرہ سے متاثر ہوتا ہے۔ وراثتی خصوصیات اور ماحول کے زیرِ اثر بچے میں ایک خاص قسم کا کردار پیدا ہوتا ہے جو اس کے ظاہری اعمال، باطنی کیفیات اور ماحول کے اثرات کے ردِ عمل پر مشتمل ہوتا ہے۔

مدرسہ میں افراد، مختلف گھرانوں اور مختلف ماحول سے تعلق کی بنا پر مختلف شخصیتوں کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کی ذہنی سطح، ذاتی رویہ و کردار، رجحانات، جذباتی اور معاشرتی مسائل بھی مختلف ہوتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں مدرسہ کے نظم و ضبط، تدریسی مشکلات، تنظیم جماعت، انفرادی اختلافات کے مسائل اور ان مسائل سے عہدہ برآ ہونے میں تعلیمی نفسیات بہت مفید ثابت ہوتی ہے۔

تعلیم کا ایک مقصد فرد کو آئندہ زندگی میں کامیابی کے لیے تیار کرنا ہے۔ نفسیات کے ذریعے ہمیں فرد کی ذہنی صلاحیتوں کا پتہ چل سکتا ہے۔ اس طرح ہم فرد کو اس کے حالات کے مطابق تعلیم دینے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ علمِ نفسیات کی مدد سے استاد کو اس بات کا

علم ہوجاتا ہے کہ عمل تدریس میں کسی خاص مقصدِ تعلیم کو حاصل کرنے کے لیے کن نفسیاتی پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

ایک کمرۂ جماعت میں منفرد شخصیتوں پر مشتمل گروہ ہوتا ہے، اسی طرح مختلف شخصیتوں کے حامل افراد کو ایک ہی کمرۂ جماعت میں مؤثر تعلیم کیسے دی جائے۔اس مسئلہ کے حل کے لیے علم نفسیات ہماری مدد کرتا ہے۔

تعلیم کی نفسیاتی اساس کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:۔

1- ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، لہٰذا انسان کے لیے مرغوب اور پسندیدہ علم وہی ہے جو فطرت کے نظام سے متعلق ہو۔ تعلیمی نفسیات ان دونوں کو پروان چڑھانے میں مدد دیتی ہے۔

2- تعلیمی نفسیات کا اصل نصب العین، انسان کی ایسی ہمہ پہلو نشوونما ہے جس میں جسمانی، ذہنی، جذباتی صلاحیتیں شامل ہیں۔ تعلیمی نفسیات کا اصل کام یہ ہے کہ وہ انسان کی اس انداز سے تربیت کرے کہ انسان کو بالآخر رضائے الٰہی کے تابع کردے۔

3- تعلیمی نفسیات کے حوالہ سے ایک استاد کو بچے کی فطری جبلتوں اور صلاحیتوں کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ فطرت انسانی کا جبلی تقاضہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو اپنا نصب العین قرار دے اور صفات الٰہی کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کر کے قربت الٰہی حاصل کرے۔ نفسیات ان فطری اور جبلی تقاضوں کو سمجھنے میں استاد کی مدد کرتی ہے۔

4- ہر انسان فطرتاً آزاد پیدا ہوا ہے، اس لیے عملِ تعلیم اور ہم نصابی سرگرمیوں میں اس پر کسی قسم کی بے جا پابندی عائد کرنا درست نہیں۔ علم نفسیات بچوں کے لیے موزوں ہم نصابی سرگرمیوں کے تعین میں مدد کرتا ہے۔

5- افراد میں اور خصوصاً زیرِ تعلیم بچوں کی استعداد اور میلان طبع کے اختلافات کو تسلیم کر کے نصابِ تعلیم اور طریق تدریس میں ضروری علمی مواد ذہنی اور لسانی صلاحیتوں کے مطابق شامل کرنے میں علمِ نفسیات رہنمائی کرتا ہے۔

6- انسان، اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ ہے۔ انسانی زندگی کا نصب العین، معرفتِ الٰہی اور اطاعتِ الٰہی ہے۔ جب تک انسانی نفسیات کا مطالبہ ہدایت الٰہی کی روشنی میں نہیں کیا جائے گا، حقیقت اصلیہ تک رسائی ممکن نہیں ہے۔

7- عمل تعلیم کا ایک اہم جزو، تعلم یا آموزش ہے، تمام تعلیمی سرگرمیوں میں بچے کی نشوونما اور عملِ تعلیم کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ عملِ تعلیم کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ بچے کی نشوونما کے مراحل

ب۔ عمر کے مختلف مدارج میں بچے کے رویے

ج۔ بچوں کی دلچسپیاں، رجحانات اور ضروریات

اگر نظامِ تعلیم اور عملِ تعلیم میں بچوں کی مختلف جائز انفرادی اور اجتماعی ضرورتوں کا خیال نہ رکھا جائے تو تعلیمی عمل اور نظامِ تعلیم غیر متوازن اور ناکام ثابت ہوگا۔

8- علمِ نفسیات ہر انسان کے اندر موجود نفسِ امارہ، نفسِ لوامہ اور نفسِ مطمئنہ کے تقاضوں کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ تعلیم و تربیت کے عمل میں، نفسِ امارہ یعنی نفسانی اغراض اور خواہشات کی پرستش سے بچنے اور نفسِ لوامہ کے ذریعے محاسبہ کا عمل جاری رہتا ہے اور بالآخر انسان نفسِ مطمئنہ کے ذریعے احسان اور تقویٰ کے مقام کو حاصل کرسکتا ہے۔

تعلیم میں نفسیات کا کردار (Contribution of Psychology towards Education)

نفسیات کا موضوع، بچوں کے ذہن، کردار، رویہ جات اور رجحانات کا مطالعہ ہے۔ اس کی مدد سے بچوں کی خصوصیات اور دلچسپیوں کا پتہ چلتا ہے۔ یہ تدریسی عمل کو مؤثر بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

مندرجہ ذیل نکات سے تعلیمی نفسیات کا کردار واضح طور پر سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے:۔

1- تعلیمی نفسیات کی مدد سے بچوں کی نشوونما کا مطالعہ، استاد کو ایسے اصولوں سے آگاہ کرتا ہے جن پر عمل کر کے تعلم کا عمل مؤثر اور آسان بنایا جاسکتا ہے۔

2- تعلیمی عمل کو بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے اور بچوں کی ذہنی سطح، کردار، جذبات اور رجحانات کو پیش نظر رکھ کر اس عمل کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔

3- بچوں کے انفرادی اختلافات اور ان کے مسائل سے آگاہی حاصل کر کے تدریسی عمل کو زیادہ مؤثر، دلچسپ، دیرپا اور بہتر بنایا جاسکتا ہے۔

4- عمر کے مختلف مدارج میں بچوں کی جسمانی، ذہنی اور جذباتی صلاحیتوں کا فہم حاصل کر کے معلم اپنے طریق تدریس کو بہتر بنا سکتا ہے۔

5- مدارس میں نظم و نسق کے مسائل، تدریسی مشکلات، جماعتی تنظیم، معاشرتی و معاشی تفاوت اور طلبہ کی معاشرتی نشوونما کے مسائل کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔

6- بچے کے کردار کو سمجھنے اور مستقبل میں اس کی کامیابی کے لیے مفید پیش گوئی ہوسکتی ہے، ایسا سائنسی مطالعہ، طلبہ کے ذاتی اور گروہی مسائل کے حل میں مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔

7- استثنائی بچوں (Special Children) کے انفرادی مسائل کا مطالعہ کر کے ان کے مسائل کو حل کرنے میں مدد ملتی ہے تا کہ ایسے بچوں کے لیے تعلیمی عمل کامیابی سے ہمکنار ہو سکے۔

8- تعلم کو سمجھنے، اس پر اثر انداز ہونے والے عوامل کو جاننے اور تعلم کے محرکات میں حائل رکاوٹوں پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

9- بچوں کی دلچسپیوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اور اس کے مطالعہ کے لیے مہارت اور طریقے وضع کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح تعلیمی نفسیات کی مدد سے متعلم کے لیے مطالعاتی مواد کی سائنسی بنیادوں پر انتخاب اور تیاری کے عمل کو مفید اور مؤثر بنایا جاسکتا ہے۔

10- تعلیمی نفسیات مجموعی طور پر عملِ تعلیم کے مؤثر بنانے، مقاصد تعلیم کے حصول میں کامیابی، عملِ تعلیم کی راہ میں حائل دشواریوں پر قابو پانے نیز متوسط اور پیچھے رہ جانے والے بچوں کی علمی استعداد کو بڑھانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

4- تعلیم کی معاشرتی بنیادیں

معاشرہ اور تعلیم

جب انسانوں کا کوئی گروہ شعوری طور پر مشترکہ مقاصد کے تحت مل جل کر زندگی بسر کرے تو انسانی معاشرہ وجود میں آتا ہے، گویا افراد کے باہمی ملاپ سے تشکیل پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو معاشرت پسند بنایا ہے یعنی انہیں آپس میں مل جل کر رہنے کی خواہش ودیعت کی ہے۔ اس خواہش کے نتیجے میں نسلِ انسانی کے تحفظ، بقا اور تسلسل کے لیے معاشرے کا وجود ضروری ہے۔ معاشرے

کے اجزائے ترکیبی میں، افراد کے رہن سہن، مشترکہ رسوم ورواج، مشترکہ نظریۂ حیات، مشترکہ زبان، مذہبی، معاشرتی، تہذیبی اور ثقافتی اقدار میں مماثلت شامل ہیں۔

بچہ جب اس دُنیا میں آتا ہے تو یہ دُنیا اس کے لیے اجنبی ہوتی ہے۔ آہستہ آہستہ وہ اپنے ماحول سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اپنے اردگرد کے ماحول سے متاثر ہو کر وہ ایسی حرکات و اعمال کرتا ہے جن کا وہ اپنے ماحول میں مشاہدہ کرتا ہے اس طرح وہ معاشرے کا رکن بن جاتا ہے۔

بچے کی اولین درس گاہ اس کے گھر کا ماحول ہوتا ہے۔ گھر کے ماحول سے متاثر ہو کر وہ مسلسل ایک تعلیمی عمل سے گزرتا رہتا ہے۔ اس طرح بچے کا معاشرتی پہلو اس کی تعلیم کے لیے اساس کا کام دیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بچے کی اولین درس گاہ ماں کی گود ہوتی ہے اور بچے کے اولین معلم اس کے والدین ہوتے ہیں۔ بچے کی ابتدائی تعلیم و تربیت میں اس کے گھریلو ماحول کا اہم کردار ہوتا ہے۔ یہاں بچے کی شخصیت پر گہرے اور دیرپا نقوش مرتب ہوتے ہیں۔

بچہ فطری طور پر اپنے ماحول سے متاثر ہو کر ان تمام چیزوں کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے جو دیگر افرادِ خانہ اس کے سامنے کرتے ہیں۔ افرادِ خانہ بچے کو ابتدائی باتوں کی تلقین کرتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کو ماننا، بزوں کی عزت کرنا، بری باتوں سے بچنا، دوسروں کو سلام کرنا، سچ بولنا اور جھوٹ سے بچنا وغیرہ ایسی باتیں ہیں جن کی بنیاد پر گھر کے ماحول سے بچہ تعلیم و تربیت پاتا ہے۔

معاشرہ اور تعلیمی ادارہ

قدیم معاشرے میں انسانی ضروریات محدود تھیں اور معاشرہ زیادہ ترقی یافتہ نہیں تھا۔ اس لیے والدین کے لیے بچوں کو معاشرتی اقدار کی تعلیم دینا مشکل نہ تھا۔ مگر رفتہ رفتہ معاشرے کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسانی ضروریات میں تبدیلی کے نتیجے میں بچوں کو گھر میں تعلیم دینا ممکن نہ رہا۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے تعلیمی ادارے قائم کئے گئے جو بچوں کی ضروریات کی تکمیل کر سکیں۔ اس طرح رسمی تعلیمی ادارے وجود میں آئے تاکہ افرادِ معاشرہ ان اداروں میں تعلیم حاصل کر کے اپنے لئے معاشرے میں مقام بنا سکیں اور معاشرے کی تعمیر میں بھی اپنا کردار ادا کر سکیں۔

عملِ تعلیم کسی معاشرے ہی میں ممکن ہے۔ کسی بھی معاشرے میں نظامِ تعلیم کا دارومدار معاشرے کی اقتصادی، سیاسی، مذہبی اور تہذیبی اقدار و ضروریات پر ہے۔ انہی اقدار و ضروریات سے نظامِ تعلیم کی تشکیل ہوتی ہے اور انہی سے مقاصدِ تعلیم اور نظامِ تعلیم کے عناصر کا تعین ہوتا ہے۔ تعلیم ہی سے کسی فرد کے معاشرتی منصب کا تعین ہوتا ہے۔ کسی بھی ملک کے معاشرے اور تعلیم کے باہمی تعامل پر ملک کے مستقبل کا انحصار ہوتا ہے۔

تعلیم اور معاشرے کا باہمی تعلق بہت گہرا ہے۔ ان میں ہم آہنگی کا پایا جانا ضروری ہے۔ اسی سے اچھے نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ دنیا کی بدلتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے عملِ تعلیم میں مسلسل اور سوچی سمجھی تبدیلیاں ضروری ہیں تاکہ تعلیم بدلتے ہوئے وقت کے تقاضوں کا ساتھ دے سکے اور معاشرہ کو خوب سے خوب تر بنانے میں اپنا فعال اور متحرک کردار ادا کر سکے۔ اچھی تعلیم، معاشرے کی اہم ضروریات کو فراموش نہیں کر سکتی۔ بہتر سے بہتر مستقبل تک پہنچنے کی جستجو اور جدوجہد کا یہ عمل جاری وساری رہنا چاہیے۔

معاشرے میں مدرسہ کا کردار

مدرسہ ایک معاشرتی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے جو طلبہ کے لیے ایسے تجربات فراہم کرتا ہے جن سے گزر کر ان کی خداداد صلاحیتیں

بیدار ہوتی ہیں۔ ان میں اجتماعی زندگی بسر کرنے کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ مدرسہ میں بچے مختلف خاندانوں اور گھرانوں سے آتے ہیں۔ وہ مختلف معاشرتی، معاشی پس منظر رکھتے ہیں۔ ان کا گھریلو ماحول، صلاحیتیں اور خیالات وتصورات ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں جب کہ مدرسہ میں ایک خاص قسم کا ماحول ہوتا ہے۔ مدرسے کے نظم وضبط کا بچے کی شخصیت پر اثر پڑتا ہے۔ وہ مدرسہ کے ماحول میں آہستہ آہستہ ڈھل کر دوسرے کے ساتھ مل کر معاشرتی زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ سیکھتا ہے۔ بعض اوقات شعوری طور پر اور اکثر غیر شعوری طور پر مدرسہ کے دوسروں بچوں سے متاثر ہوکر منظم معاشرتی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یہاں بچہ جو کچھ سیکھتا ہے وہ اپنے گھر، محلے یا معاشرے میں نہیں سیکھتا۔ مدرسے کو پورے معاشرے کی تائید اور حمایت حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اس میں بچوں کی شخصیت بہتر اور کردار کی تربیت زیادہ مؤثر طریقے سے ہوتی ہے۔

معاشرہ ہی تعلیمی ادارے قائم کرتا ہے۔ اس لیے معاشرہ کی یہ ضرورت ہوتی ہے کہ مدرسہ نہ صرف بچوں کی ہمہ پہلو تربیت کا اہتمام کرے، بلکہ ایسے افراد تیار کرے جو معاشرے کی تعمیر وترقی میں اپنا کردار بطریق احسن ادا کرسکیں۔ چنانچہ مدرسہ کی تعلیم کے لیے ضروری ہے کہ وہ فرد اور معاشرہ دونوں کی ضروریات کی تکمیل کر سکے۔

تعلیم کی معاشرتی اساس کے چند اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:۔

1- تعلیمی ادارہ درحقیقت ایک معاشرتی ادارہ ہے اور نظام تعلیم براہ راست معاشرے کے مسائل اور ضرورتوں سے متاثر ہوتا ہے۔ ہر معاشرہ کی منفرد خصوصیات ہوتی ہیں۔ وہ اپنی اقدار، روایات اور تہذیب وثقافت رکھتا ہے۔ زندہ قومیں اپنی اقدار اور روایات کو زندہ رکھتی ہیں۔ چنانچہ تعلیم کی اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے معاشرے کی خصوصیات کو پیشِ نظر رکھے اور معاشرے کو مطلوب افراد مہیا کرے مثلاً پاکستانی معاشرے میں تعلیم کے ذریعے مسلمان پاکستانی تیار کرنا تعلیم کا اصل مقصد ہے۔

2- پاکستان ایک اسلامی نظریاتی مملکت ہے اس لیے یہاں کی تعلیم میں اس اہم نکتہ کو پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ مالک حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ تعلیم کو اس بنیاد پر استوار کرنے کے نتیجے میں ایک ایسی شخصیت تیار ہونی چاہیے جو اپنی پوری زندگی اللہ کے تصرف میں دے کر اپنے ہر معاملے میں اللہ کے احکام کی پیروی کرے اور اسی کی طرف رجوع کرے۔

3- تعلیم کے ذریعے بچوں کو یہ احساس دلایا جائے کہ ساری انسانیت حضرت آدمؑ کی اولاد ہے۔ انسانی وحدت اور معاشرتی مساوات ورواداری کی بنیاد پر معاشرے کی تشکیل کی جاسکے۔ تقریری وتحریری مقابلے، مقابلہ حسنِ قرأت وغیرہ ایسی سرگرمیاں ہیں جن سے یہ مقصد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

4- تمام مسلمان آپس میں اخوت و وحدت کے رشتے میں منسلک ہیں۔ ان میں نظریاتی ہم آہنگی اور فکری وعملی مطابقت کے لیے ضروری ہے کہ معاشرہ کی تشکیل وتعمیر اسلامی اخوت و بھائی چارے کی بنیاد پر کی جائے جو اسلام کی قومی وعملی شہادت دے۔ اس مقصد کے لیے نظری تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی تربیت بھی دینا ضروری ہے۔

5- تعلیم افرادِ معاشرہ میں اجتماعی ذمہ داری کا تصور اجاگر کرتی ہے۔ نظام تعلیم پورے معاشرے میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ معاشرہ اچھائیوں کو پھیلانے اور نیکیوں کو قائم کرنے والا ہو اور برائیوں کو روکنے والا ہو۔ دوسروں کے حقوق ادا کرنا اور اپنے فرائض کی ادائیگی کا شعور تعلیم کی معاشرتی ذمہ داری ہے۔

6- تعلیم کے اہم معاشرتی کردار

معاشرتی بنیاد کے حوالہ سے تعلیم کے تین اہم معاشرتی کردار ہیں۔

i- تعلیم معاشرے کی دائمی قدروں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ آئندہ نسلوں تک منتقل کرے۔

ii- تعلیم معاشرتی اقدار اور تجربات تنقید اور تطہیر کے بعد صرف مفید تجربات، مشاہدات اور معلومات طلبہ کی نئی نسل تک منتقل کرتی ہے۔

iii- تعلیم کا یہ کام صرف اقدار کی منتقلی اور اصلاح تک محدود نہیں بلکہ وہ تخلیق سے کام لے کر معاشرتی ترقی کے لیے بھی اپنا کردار ادا کرتی ہے تاکہ مستقبل کے مسائل بھی حل ہو سکیں۔ تعلیم کے معاشرتی کردار کو اپنانے کے لیے مدرسہ میں مندرجہ ذیل ذرائع اختیار کر کے عمل تعلیم کو مؤثر و معاون بنایا جاسکتا ہے۔

تعلیم کی معاشی بنیادیں

کسی بھی معاشرے کی ترقی اور خوشحالی کا دارومدار، اس کے معاشی وسائل اور ان کے صحیح استعمال پر ہے۔ اگر قدرتی وسائل موجود ہوں لیکن معاشرہ ان وسائل سے آگاہ نہ ہو اور ان کو استعمال میں نہ لائے تو ان وسائل کا ضیاع ہوتا ہے۔ اسی طرح وسائل کی کمی بھی معاشرے کی اقتصادی ترقی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ وسائل کی کمی کو محنت اور بہتر منصوبہ بندی سے کسی حد تک پورا کیا جاسکتا ہے۔ تاہم اس کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے کے تمام افراد کو ان وسائل کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے اور مناسب استعمال کی تربیت دی جائے۔

تعلیم ہی ایسا عمل ہے جس کی مدد سے طلبہ کو معاشرے کی معاشی ترقی میں اپنا مثبت کردار ادا کرنے کے لیے تیار کیا جاسکتا ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک نے افرادِ معاشرہ کی تعلیم خاص طور پر سائنس و ٹیکنالوجی کی تعلیم و تربیت کے ذریعے معاشی مسئلے کا حل پیش کر کے دوسروں کے لیے نمونہ پیش کیا ہے۔ اسی سے معاشرہ انفرادی، اجتماعی اور اقتصادی طور پر ترقی کی راہ پر گامزن ہوگا۔

تعلیم اور معاشیات کا باہمی تعلق

تعلیمی ادارے، افرادِ معاشرہ کو مختلف پیشوں کے لیے زیورِ تعلیم سے آراستہ کر کے معاشرے کی ضروریات کو پورا کرنے میں مدد دیتے ہیں اور اس کے اثرات نہ صرف معاشرے کی سماجی، سیاسی اور گھریلو زندگی پر پڑتے ہیں بلکہ ملک میں معاشی خوش حالی کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

تعلیم کے ذریعے معاشرے کی افرادی قوت کو معاشی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے اور معاشی ترقی میں اپنا کردار ادا کرنے کے قابل بنایا جائے۔ اگر تعلیم، افرادِ معاشرہ میں ایسی خوبیاں اور اوصاف پیدا کرے جو ایک جدید اور ترقی یافتہ معاشرہ کے لیے ضروری ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ملک معاشی و اقتصادی لحاظ سے خوشحال نہ ہو مثلاً تعلیم کے ذریعے طلبہ میں تحقیق، تجربہ، ہنرمندی، احساس ذمہ داری اور کام کرنے کی لگن پیدا کر دی جائے تو معاشرہ اپنی تکمیل کی راہیں خود تلاش کر لے گا۔

ملکی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ ملک میں تعلیم و تربیت کا ایک ایسا نظام ہو جو معاشرے کے ہر شعبۂ زندگی کے لیے موزوں افرادی قوت مہیا کرنے کا اہل ہو۔ گویا ملک کے نظامِ تعلیم میں معاشی ترقی کے لیے مندرجہ ذیل خصوصیات پائی جانی چاہئیں:۔

1- نظام تعلیم طلبہ کو ایسے مواقع فراہم کرے کہ وہ اپنی فطری صلاحیتوں کا مظاہرہ کر سکیں۔

2- طلبہ کی صحیح سمت میں رہنمائی کرے تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں اور رجحانات کے مطابق مناسب پیشوں کا انتخاب کر سکیں۔

3- صنعتی، تجارتی اور زرعی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام کرے

4- فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کے حصول کے لیے ذرائع فراہم کرے۔

5- سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کے لیے مناسب اور اہل افرادی قوت تیار کرے۔

6- معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی ترقی میں مددگار ثابت ہو۔

7- ابتدائی تعلیم پر خصوصی توجہ کے نتیجے میں طلبہ کی تعلیمی بنیادوں کو مضبوط اور پائیدار بنائے۔

8- نصاب تعلیم میں بدلتے ہوئے حالات اور تقاضوں کے مطابق تبدیلی اور ترمیم کی گنجائش رکھے۔

9- تعلیمی ادارے میں جدید علوم پر تحقیق کے مواقع فراہم کرے۔

10- مجموعی طور پر ایسی تعلیمی حکمتِ عملی وضع کر کے انھیں جدید خطوط پر اس طرح استوار کرے جو معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ سماجی اور معاشرتی ترقی کی رفتار کو تیز کرے۔

تعلیم کی معاشی بنیادوں کے لیے مندرجہ ذیل نکات بہت اہم ہیں:-

1- تعلیم کی معاشی اساس میں طلب حلال اور اجتناب حرام کا خاص خیال رکھا جائے۔

2- کسبِ معاش کے ذرائع میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز ضروری ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے حلال اور جائز روزی کے حصول کے لیے جدوجہد اور کوشش عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔

3- انسانوں اور افرادِ معاشرہ کی جائز معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے معاشی وسائل کی تلاش اور فراہمی پر خصوصی توجہ دی جائے۔

4- کسبِ حلال کے لیے مختلف پیشوں کے لیے ماہرین کی تیاری کے لیے پیشہ ورانہ پہلو کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ تعلیم برائے تعلیم کے ناقص تصور کی بجائے، تعلیم معاشرے کے ہنر مند افراد، کارکن اور لیڈر تیار کرے جو تمام شعبۂ ہائے حیات میں اسلامی اقدار اور اصولوں کی روشنی میں وسائل رزق تلاش کر سکیں اور معاشرے کی معاشی ضروریات کی تکمیل کر سکیں۔

5- تسخیر کائنات کے اصولوں کو پیشِ نظر رکھ کر کائنات کے اندر پوشیدہ خزانوں کا کھوج لگایا جائے اور وسائل رزق کی تلاش کے لیے مادی اور معدنی وسائل کو بروئے کار لایا جائے۔ اس مقصد کے لیے تعلیم میں تحقیق کو نمایاں حیثیت دی جائے۔

6- تعلیم کے ذریعے افرادِ معاشرہ میں محنت میں عظمت کے اصول کو اجاگر کیا جائے۔

7- معاشی ترقی کی راہ میں بدعنوانی، کرپشن اور ہر قسم کے استحصال اور ناجائز ہتھکنڈوں کے ذریعے دولت کے حصول کی حوصلہ شکنی کی جائے اور تعلیم کے ذریعے افراد معاشرہ کو اس سے آگہی اور شعور پیدا کیا جائے۔

8 معاشرے میں پس ماندہ اور محروم طبقات کو معاشی لحاظ سے اوپر اٹھانے کے لیے اسلامی اخوت اور اسلام کے معاشی تصورات کو افرادِ معاشرہ کے ذہنوں میں اجاگر کرنے کے لیے تعلیم کو ذریعہ بنایا جائے۔

مندرجہ بالا باتوں میں پیشہ ورانہ مہارتوں کے ساتھ ساتھ اللہ کی رضا کا جذبہ پیدا کرنے اور اخروی زندگی کی تیاری کا اہم مقصد نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے تا کہ ایک متوازن، عادلانہ، منصفانہ اجتماعی فلاحی معاشرہ وجود میں لایا جا سکے۔

فوائد تعلیم

تعلیم انسان کی پوری شخصیت اور زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے جس سے معاشرہ بھی براہِ راست متاثر ہوتا ہے۔ جس سے معاشرہ مستفید ہوتا ہے تعلیم کا دوسرا پہلو، حاصل کردہ تعلیم کو عملی زندگی میں استعمال کرنے سے ہے جس سے طالب علم کی ذات، خاندان اور ملک کی معاشی خوشحالی اور قومی ترقی میں مدد ملتی ہے۔ اس لحاظ سے تعلیم کے فوائد کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1- سماجی فوائد 2- معاشی فوائد

1- تعلیم کے سماجی فوائد

تعلیم کو معاشی سرمایہ کاری قرار دینے سے عام طور پر تعلیمی فوائد کا ایک پہلو نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور وہ تعلیم کا سماجی اور تہذیبی پہلو ہے۔

تعلیم کا معاشرے کی نشوونما، صحیح خطوط پر رہنمائی اور انسانی شخصیت کی تکمیل میں اہم کردار ہے۔ تعلیم کے سماجی فوائد درج ذیل ہیں۔

i- علمی فوائد

تعلیم علوم و فنون کی ترقی اور اشاعت کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس وقت دنیا میں سائنسی، صنعتی، ٹیکنالوجی، فنون و ادب اور عمرانی علوم کا بیش بہا سرمایہ، تعلیم ہی کے ذریعے ممکن ہوا ہے۔ اس میں روز افزوں ترقی اور اضافہ بھی تعلیم کی بدولت ہے۔ یہ تمام علمی سرمایہ بنی نوع انسان کے لیے ایک قیمتی متاع کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر تعلیم کا عمل سست یا ماند پڑ جائے تو یہ تمام علمی سرمایہ ایک دفینے کی حیثیت اختیار کرے گا اور دنیا میں علم کے نور کی بجائے جہالت کی تاریکی چھا جائیگی۔ اسی لیے ایک حدیث شریف میں قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی دنیا سے علم کے اٹھانے کے حوالہ سے ہے۔ "اس طرح دنیا میں جہلا رہ جائیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔" اس سے اندازہ کرنا آسان ہے کہ تعلیم کا اصل فائدہ علمی اور تہذیبی ہے۔

ii- اخلاقی فوائد

انسانی اخلاقیات کے لیے علم واضح بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اخلاق ایک قیمتی زیور ہے اور یہ تعلیم کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اعلیٰ اخلاق ہی سے انسان دنیا میں عزت اور ناموری حاصل کرتا ہے۔ اس لحاظ سے تعلیم تو ہے ہی حسنِ کمال اور اخلاقِ عالیہ کی تربیت کا عمل۔ قرآن مجید میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ رسالت میں تزکیۂ نفس اور اخلاقی پاکیزگی کا ذکر فخریہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ "مجھے اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔" تعلیم کے ذریعے اخلاقی تربیت ملتی ہے جس سے انسان صحیح معنوں میں انسان بنتا ہے۔ انسانی اخلاقیات کے بغیر، معاشرہ ایک مادی اور حیوانی گروہ کی شکل اختیار کر لے گا۔

تعلیم کا بڑا کمال یہ ہے کہ یہ انسان کو اعلیٰ اخلاقی اقدار سے سنوارتی ہے۔ انسانوں کو اپنے حقوق و فرائض کا شعور دیتی ہے۔ دوسروں کے لیے اخلاص اور ایثار کے جذبے سے سرشار کرتی ہے۔ چنانچہ تعلیم کے نتیجے میں ایک ایسا فلاحی معاشرہ وجود میں آتا ہے جس میں اخلاص، تقویٰ، ایثار، خیر خواہی اور خیر سگالی کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔ دنیا میں امن و سلامتی کا دور دورہ اور معاشی خوش حالی کے ساتھ ساتھ انسانی عظمت اجاگر ہوتی ہے۔

اسلام کے دورِ اولین میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم کے نتیجے میں ایسا مثالی معاشرہ وجود میں آیا تھا جو قیامت تک، نوعِ انسانی کے لیے ایک مثال ہے۔ یہ آپؐ کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا جسے دُنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور جس کے مظاہر آج کے اسلامی معاشروں میں بھی نظر آتے ہیں۔

iii- سیاسی فوائد

معاشرے کو منضبط کرنے کا عمل سیاست کہلاتا ہے۔ افراد کی اخلاقی اصلاح کے ساتھ ساتھ تعلیم، معاشرے میں اجتماعی نظم و ضبط پیدا کرتی ہے۔ تعلیم کے حوالے سے یہ بڑی اہم خدمت ہے۔ تعلیم سے اجتماعی شعور کی نشو ونما ہوتی ہے۔ افراد میں ملک و ملت کے لیے قربانی کا جذبہ، حب الوطنی اور قومی مفادات سے آگاہی اور تحفظ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور بین الاقوامی حالات سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح تعلیم یافتہ افراد کی شرکت سے سیاسی عمل میں ہمواری پیدا ہوتی ہے۔ سیاسی ارتقا کے نتیجے میں مستحکم جمہوری معاشرہ تشکیل پاتا ہے، جہاں عدل و انصاف کی بنیاد پر حقوق و فرائض کی ادائیگی کا اہتمام ہوتا ہے۔

تعلیم سے احترامِ آدمیت کے جذبہ کو فروغ ملتا ہے۔ حقوق کا تحفظ اور حصول آسان ہوتا ہے گویا تعلیم سے ایک صحت مند سیاسی نظام کا قیام عمل میں آتا ہے جو بالآخر ملک کی مجموعی ترقی اور معاشی خوش حالی کا باعث بنتا ہے۔

2- تعلیم کے معاشی فوائد

تعلیم کے نتیجے میں معاش اور رزق کے وسائل کی دریافت ہوتی ہے، انسانوں کے لیے بہتر سہولیات اور آسائش کا سامان مہیا ہوتا ہے، ذرائع مواصلات، ذرائع ابلاغ اور ذرائع آمد و رفت کی ترقی، تعلیم ہی کی مرہونِ منت ہے۔ تعلیم کے ذریعے افرادِ معاشرہ کی معاشی حالت بہتر ہوتی ہے۔ انھیں روزگار کے مواقع میسر آتے ہیں۔ جس کے اثرات عام افرادِ معاشرہ کے ساتھ ساتھ پورے معاشرے کی اجتماعی اور کاروباری زندگی تک پہنچتے ہیں۔

وسائل رزق اور روزگار کے نتیجے میں انداز بود و باش بدل جاتا ہے۔ حفظانِ صحت کے اصولوں سے آگاہی ہوتی ہے۔ تعمیر و آرائش، کھانے پینے کے آداب ملبوسات اور آدابِ زندگی میں ایک خوشگوار انقلاب برپا ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ ہنرمند افراد معاشرے کے مختلف شعبوں میں حصہ لے کر معاشرے کی تیز رفتار ترقی میں مدد دیتے ہیں۔ حلال روزی کا حصول، فنی تعلیم سے ممکن ہے۔

تعلیم اور بالخصوص سائنسی، تکنیکی، صنعتی و حرفتی اور دیگر پیشہ ورانہ تربیت افراد کی آمدنی اور مجموعی قومی آمدنی میں قابلِ قدر اضافہ کا باعث بنتی ہے۔

اس طرح تعلیم کے بے شمار فوائد کے نتیجے میں انسانی زندگی میں استواری و ہمواری پیدا ہوتی ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں بہتری اور ترقی ہوتی ہے۔ یہ ترقی مادی لحاظ سے بھی ہوتی ہے اور تہذیبی و اخلاقی لحاظ سے بھی، جس سے ایک خوشحال، پرامن، بااخلاق اور ترقی یافتہ عالمی معاشرے کے قیام میں مدد ملتی ہے۔

تعلیم کے معاشی فوائد کو ہم مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت بیان کر سکتے ہیں۔

i- روزگار

تعلیم کی بدولت بڑے پیمانے پر روزگار کے مواقع مہیا ہوتے ہیں۔ مختلف پیشوں سے وابستہ افراد روپیہ کماتے ہیں۔ بڑے

بڑے منصوبے روزگار مہیا کرتے ہیں۔

ii- بہتر معیار زندگی

تعلیم انسان کو بہتر زندگی گزارنے کے انداز بتاتی ہے۔ایک پڑھا لکھا انسان اپنے رہن سہن، میل جول، چال چلن اور تہذیب و تمدن میں نکھار پیدا کرتا ہے۔وہ اپنے آپ کو تعلیم کے ذریعے سنوارتا ہے۔زندگی گزارنے میں اس کا معیار ایک ان پڑھ اور جاہل سے کہیں بہتر ہوتا ہے۔

iii- قومی ترقی

تعلیم سے بحیثیت مجموعی، قومی ترقی کی راہ کھلتی ہے۔ملکی سطح پر زراعت، انجینئرنگ، میڈیکل، جیسے شعبوں نیز صنعت و حرفت کی بدولت معاشی خوشحالی نصیب ہوتی ہے۔

اہم نکات

1- تعلیم کی مندرجہ ذیل بنیادیں ہیں۔

نظریاتی بنیادیں، فلسفیانہ بنیادیں، نفسیاتی بنیادیں، اور سماجی و معاشی بنیادیں

2- ذرائع علم مندرجہ ذیل ہیں۔

حواس خمسہ، عقل، وجدان، اسناد و روایات، اور وحی

3- تعلیم کا نظریاتی پہلو فلسفہ کہلاتا ہے اور فلسفہ کا عملی پہلو تعلیم کہلاتا ہے۔

4- کسی بھی معاشرے میں نظام تعلیم کا دارومدار معاشرے کی اقتصادی، سیاسی، مذہبی اور تہذیبی اقدار و روایات پر ہوتا ہے۔

5- تعلیم کے مندرجہ ذیل فوائد ہیں۔

سماجی فوائد، علمی فوائد، اخلاقی فوائد اور سیاسی فوائد

آزمائشی مشق

معروضی حصہ

1- مندرجہ ذیل بیانات میں سے کچھ بیانات صحیح ہیں اور کچھ غلط اگر بیان صحیح ہو تو ''ص'' کے گرد اور اگر بیان غلط ہو تو ''غ'' کے گرد دائرہ لگائیں۔

i- عمل تعلیم اور تعلیمی نظام کو قومی نظریہ حیات سے جدا کیا جا سکتا ہے۔ ص / غ

ii- اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلامی نظریہ حیات کا جاننا ضروری نہیں ہے۔ ص / غ

iii- انسان ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں جوابدہ ہے۔ ص / غ

iv- علماء انبیا علیہ السلام کے وارث ہیں۔ ص / غ

v- انسان فطرتاً تجسس پسند ہے۔ ص / غ

vi- فلسفہ کا تیسرا موضوع تصورِ علم ہے اسے علمیات بھی کہا جاسکتا ہے۔ ص / غ

vii- نفسیات کے ذریعے ہمیں بچے کی جسمانی صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ ص / غ

viii- تعلیم بنیادی طور پر ایک انفرادی عمل ہے۔ ص / غ

ix- اساتذہ کے ہاتھ میں قوم کا مستقبل اور حقیقی معنوں میں باگ ڈور ہوتی ہے۔ ص / غ

x- تعلیم سے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کے لیے مناسب اور اہل افرادی قوت تیار کی جاسکتی ہے۔ ص / غ

2- مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات میں سب سے موزوں ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

i- کسی بھی قوم کا طرزِ فکر، طرزِ عمل اور اخلاقی اقدار و روایات کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔

ا۔ قومی فکر ب۔ قومی عمل ج۔ قومی اخلاقیات د۔ نظریہ حیات

ii- انسان کا مقصدِ تخلیق کیا ہے؟

ا۔ تعلیم حاصل کرنا ب۔ اطاعتِ الٰہی ج۔ تحقیق کرنا د۔ فرض ادا کرنا

iii- انبیاء علیہ السلام کے وارث کون ہیں؟

ا۔ علماء ب۔ زاہد ج۔ سرمایہ دار د۔ حکمران

iv- نظام تعلیم کا ایک عنصر ہے۔

ا۔ حکمت تدریس ب۔ حکومت ج۔ حکمران د۔ کوئی بھی نہیں

v- تعلیم کا سب سے اہم مقصد کیا ہے؟

ا۔ رضائے الٰہی کا حصول ب۔ بچے کی صفائی ج۔ بچے کی نفسیات جاننا د۔ کوئی نہیں

vi- ہر انسان فطرتاً پیدا ہوتا ہے۔

ا۔ آزاد ب۔ غلام ج۔ پڑھا لکھا د۔ ان پڑھ

vii- زندہ قومیں اپنی اقدار و روایات کو کیا کرتی ہیں؟

ا۔ زندہ رکھتی ہیں۔ ب۔ اضافہ کرتی ہیں۔ ج۔ بدل دیتی ہیں۔ د۔ چھوڑ دیتی ہیں۔

viii- نظم وضبط میں پہلا اصول ہے۔

ا۔ وقت کی پابندی۔ ب۔ سزا دینا ج۔ صفائی ستھرائی۔ د۔ بڑوں کا ادب۔

ix- تعلیم بنیادی طور پر کون سا عمل ہے؟

ا۔ معاشرتی عمل ب۔ روحانی عمل ج۔ جسمانی عمل د۔ تعلیمی عمل

x- تعلیم کا اصل فائدہ کیا ہے۔

ا۔ علمی اور تہذیبی ب۔ معاشی ج۔ سماجی د۔ سیاسی

3- دیے گئے جملوں میں خالی جگہ کو مناسب الفاظ سے پر کریں۔

i- کسی قوم کا زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر، اس قوم کا .... کہلاتا ہے۔

ii۔ اسلامی نظریۂ حیات زندگی کو .... اور .... کے علیٰحدہ علیٰحدہ خانوں میں تقسیم نہیں کرتا۔

iii۔ انسان کا مقصدِ تخلیق .... ہے۔

iv- تلاشِ حقیقت اور صداقت تک رسائی کی جدوجہد اور کوشش جو انسانی عقل کی بنیاد پر کی جائے .... کہلاتی ہے۔

v- فلسفہ .... کا دوسرا نام ہے جس سے انسانی زندگی کا لائحہ عمل تیار کیا جا سکتا ہے۔

vi- تعلیم افراد معاشرہ کی .... اور شخصیت کی ہمہ پہلو تکمیل کا نام ہے۔

vii- عمر کے مختلف مدارج میں بچوں کی .... ، .... اور صلاحیتوں کا فہم حاصل کر کے معلم اپنے طریقہ کار کو بہتر بنا سکتا ہے۔

viii- تعلیم اور معاشرے کا .... بہت گہرا ہے۔

ix- تعلیم علوم وفنون کی ترقی اور .... کا ذریعہ بنتی ہے۔

x- معاشرے کو منضبط کرنے کا عمل .... کہلاتا ہے۔

4- مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب دیجئے۔

i- تعلیم کی تعریف کریں۔

ii- تعلیم کی چار اہم بنیادوں کے نام بتائیں۔

iii- نظریۂ حیات سے کیا مراد ہے؟

iv- اسلامی تعلیم کا مرکز ومحور کیا ہے؟

v- تعلیم کی اہمیت کے بارے میں کوئی ایک قرآنی آیت بمعہ ترجمہ بیان کریں۔

vi- کوئی ایک حدیث بمعہ ترجمہ بیان کریں جس میں تعلیم کی اہمیت پر زور دیا گیا ہو۔

vii- معاشرے اور تعلیم کے تعلق کو پانچ نکات میں واضح کریں؟

viii- تعلیم کا معاشی فائدہ کیا ہے؟

انشائیہ حصہ

5- تعلیم کا مفہوم واضح کریں، تعلیم کی اہم بنیادیں کون کون سی ہیں؟ کسی ایک کی وضاحت کریں۔

6- اسلامی نظریہ حیات سے کیا مراد ہے؟ تعلیم کا اسلامی تصور وضاحت سے تحریر کریں۔

7- اسلام نے تعلیم کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے قرآن واحادیث کی روشنی میں بحث کریں۔

8- تعلیم کی فلسفیانہ بنیادوں کے بارے میں مفصل تحریر کریں۔

9- نفسیات، تعلیم کے لیے کونسی بنیادیں فراہم کرتی ہے۔ وضاحت کیجئے۔

10- تعلیم کی معاشرتی بنیادوں پر بحث کیجئے۔

11- ذرائع علم کون سے ہیں؟ تفصیلاً لکھیں۔

12- تعلیم کے فوائد کتنی قسم کے ہیں؟ وضاحت کریں۔

انسانی نشوونما

(Human Development)

انسان بھی کائنات میں موجود تمام زندہ اشیا کی طرح نشوونما کے مراحل سے گزرتا ہے۔ نشوونما کا یہ عمل زندگی کے آغاز سے لے کر پیدائش اور پیدائش کے بعد سے طفولیت، بچپن، بلوغت، پختگی اور بڑھاپے تک کا ایک مسلسل عمل ہے۔ انسانی نشوونما سے مراد وہ تمام تغیرات اور تبدیلیاں ہیں جو کسی فرد میں زندگی کے آغاز سے لے کر انجام تک رونما ہوتی رہتی ہیں۔

بچوں کی نشوونما کا سلسلہ پیدائش سے شروع ہو کر تمام عمر جاری رہتا ہے۔ نشوونما کا مطلب وہ تمام تبدیلیاں ہیں جو کسی فرد میں اس عرصے کے دوران رونما ہوتی ہیں یعنی نشوونما ان تمام جسمانی، ذہنی، معاشرتی اور جذباتی تبدیلیوں کا باضابطہ مطالعہ ہے جو افراد میں تجربوں، حادثوں، تعلیم و تربیت وغیرہ کے نتیجہ میں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ بچوں کا تخیل، کردار اور شخصیت ان تبدیلیوں سے مختلف انداز سے متاثر ہوتی ہے۔ والدین اور معلمین کے لیے ان تمام تبدیلیوں کا علم بہت مفید اور ضروری ہے۔

اینڈرسن (Anderson) کے نزدیک نشوونما ایک ایسا عمل ہے جس میں جسمانی بناوٹ کی انچوں کے اعتبار سے بڑھوتری ہی کو نہیں دیکھا جاتا یا اسے قابلیت میں مقداری تبدیلی ہی کا نام نہیں دیا جاتا بلکہ یہ ایک پیچیدہ اور مربوط عمل ہے جس میں بہت سی بناوٹوں اور ان کے اعمال و افعال کو ایک دوسرے کے حوالے سے سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کیونکہ کسی بھی ایک درجے میں واقع ہونے والی ہر تبدیلی، گزشتہ مدارج میں وقوع پذیر تبدیلیوں کی بنیاد پر واقع ہوتی ہے اور مستقبل میں واقع ہونے والی تمام تبدیلیوں کے لیے بنیاد فراہم کرتی ہے۔

نشوونما ایک وسیع اصطلاح ہے جو تبدیلی کے ان تمام عوامل پر مشتمل ہے جن سے فرد کی تمام خوبیاں جنم لیتی اور ابھرتی ہیں اور نئی قابلیتوں اور عادات و اطوار کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ ان میں عموماً بالیدگی، بلوغت، تعلیم اور تحصیل علم جیسے عناصر بہت اہم ہیں جن کو پلٹ کر ابتدائی اور گزشتہ صورتوں میں نہیں لوٹایا جاسکتا مثلاً جسمانی بالیدگی میں اگر بچپن کا مرحلہ گزر جائے تو پھر سے بلوغت کو بچپن کے مرحلے کی طرف لے جانا ناممکن ہے۔ نشوونما کی ایسی ہی مثالیں فرد کی تعلیم اور انسانی عادات و اطوار میں بھی پیش کی جاسکتی ہیں، کسی فرد میں ایک عادت کو پیدا کر کے اور اسے اس کی شخصیت کا حصہ بنا کر پھر سے اس فرد کو دوبارہ اس ابتدائی حالت میں نہیں لایا جاسکتا جبکہ وہ عادت اس کی شخصیت کا حصہ نہیں تھی۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ پیدائش سے لے کر موت تک زندگی کے مختلف ادوار میں جو تغیرات اور تبدیلیاں کسی فرد میں رونما ہوتی ہیں، انھیں نشوونما کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ تبدیلیاں مثبت اور منفی دونوں قسم کی ہوسکتی ہیں۔

بالیدگی اور نشوونما (Growth and Development)

نشوونما سے مراد ایسے تمام تغیرات ہیں جو کسی فرد میں جسمانی، ذہنی، معاشرتی اور جذباتی لحاظ سے رونما ہوتے ہیں۔ دراصل یہ تمام تغیرات مقداری ہونے کے ساتھ ساتھ اوصافی بھی ہوتے ہیں اور افراد میں اوصافی تبدیلیاں لاتے ہیں۔ اگر یہ تبدیلیاں ذہنی ہوں تو اسے ذہنی نشوونما کہتے ہیں اور اگر معاشرتی ہوں تو یہ معاشرتی نشوونما کہلاتی ہیں۔ اگر ان کا تعلق انسان کے جذبات سے ہو تو

اسے جذباتی نشوونما کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر طاقت اور مضبوطی کے لحاظ سے جسمانی تبدیلیاں پیدا ہوں تو ان کا شمار جسمانی نشوونما کے زمرے میں کیا جاتا ہے۔

انسان اور انسانی شخصیت کو سمجھنے کے لیے اس کی جسمانی، ذہنی، جذباتی اور معاشرتی نشوونما کا مطالعہ کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ اس مطالعے کے بغیر ہم انسان کی فطرت کو نہیں سمجھ سکتے۔ نشوونما کی ان اقسام کو سمجھنے کے لیے پہلے 'بالیدگی' اور 'نمو' کے تصورات کے باہمی فرق کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

بالیدگی یا افزائش سے مراد جسم کا بڑھنا، قد اور وزن میں فرق آنا، مختلف اعضا، سر، پاؤں، دل، دماغ وغیرہ کا بڑھنا ہے۔ نشوونما سے مراد یہ ہے کہ جسم کے مختلف اعضا کس طرح سے اپنے وظائف سرانجام دیتے ہیں اور کس طرح ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ پختگی (Maturation) سے مراد وہ منزل لی جاتی ہے کہ کوئی عضو یہ کب کسی جبلی یا اکتسابی فعل کو کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ ''بالیدگی'' اور ''نشوونما'' کے فرق کو سمجھنے کے لیے دونوں اصطلاحوں کا تفصیلی مطالعہ ضروری ہے۔

بالیدگی (Growth)

بالیدگی سے مراد انسان کی لمبائی، چوڑائی اور وزن میں ایسا اضافہ ہے، جس کو پیمائش کے ذریعے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ انسان اپنی پیدائش سے لے کر انجام تک خوراک کا استعمال کرتا ہے جو اس کا جزو بدن بنتی ہے۔ اس کے نتیجے میں جسم میں خلیوں کی تعداد بڑھتی ہے۔ نئے خلیے پرانے خلیوں کی جگہ لیتے ہیں اور ان تمام تبدیلیوں کی وجہ سے جسم کا ڈھانچہ مضبوط اور وزن، حجم اور قد و قامت میں اضافہ ہوتا ہے۔ لہٰذا انسانی جسم یا اس کے کسی بھی حصے میں ہونے والی مقداری تبدیلیوں کو ''بالیدگی'' کا نام دیا جاتا ہے، یعنی بالیدگی سے مراد کسی بھی بچے کی جسمانی بڑھوتری ہے جسے ہم ناپ یا تول سکتے ہیں، مثلاً ہم قد یا وزن معلوم کر سکتے ہیں۔ یہ بڑھوتری فرد کے پورے جسم میں واقع ہوتی ہے۔

نشوونما (Development)

نشوونما سے مراد شکل وصورت اور جسامت میں وہ تبدیلیاں ہیں جو کام کرنے کی صلاحیتوں میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ بالیدگی کی بنا پر انسانی جسم میں کئی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں جن کی وجہ سے جسمانی افعال میں نمایاں فرق آتا ہے۔ جسمانی افعال میں ہونے والی ان تبدیلیوں کو ''نمو'' کہا جاتا ہے، مثلاً جب ٹانگوں کی ہڈیاں اور عضلات مضبوط ہوتے ہیں تو بچے رینگنا شروع کر دیتے ہیں۔ جسم میں ہونے والی ان تبدیلیوں میں جب مزید اضافہ ہوتا ہے تو بچے پہلے کھڑا ہونا اور پھر چلنا شروع کر دیتے ہیں اور اپنے اعضا پر قابو پا کر ان سے مختلف قسم کے کام لینا سیکھ لیتے ہیں۔ اس لیے جسم کے کسی بھی حصے کے افعال یا وظائف میں رونما ہونے والی تبدیلی کو نمو کہا جاتا ہے۔

نشوونما میں کارفرما عوامل

بچے کی نشوونما میں دو عوامل، یعنی توارث اور ماحول اس کی شخصیت کے تعین میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان دونوں کو جدا کرنا، یہ کہنا کہ فلاں قسم کی نشوونما توارث کے باعث ہے یا ماحول کے سبب ہے بڑا مشکل ہے۔ یہ فیصلہ کرنا کہ کون سی تبدیلی ماحول کے سبب ہے اور کون سی توارث کی وجہ سے، بہت دشوار ہے۔ ان دونوں عوامل کی حدود طے کرنا ماہرین کے لیے ابھی تک ایک مسئلہ ہے۔ لہٰذا دونوں عوامل کی تفصیل اور ان کے باہمی تعلق کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

توارث (Heredity)

توارث سے مراد کسی فرد میں موجود ایسی تمام خوبیاں یا خامیاں ہیں جو وہ اپنے والدین اور آباؤاجداد سے پیدائشی طور پر حاصل کرتا ہے۔

توارث سے مراد وہ خصوصیات اور اثرات ہیں جو والدین کے تخم حیاتیہ (Germ Plasm) کے ذریعے اولاد میں منتقل ہوتی ہیں۔ یہ خصوصیات نہ صرف والدین سے تعلق رکھتی ہیں بلکہ ان کے بھی آباؤاجداد سے تعلق رکھنے والی خصوصیات کے طویل سلسلے کی ایک کڑی ہوتی ہیں اور یوں توارث کا تعلق پچھلی کئی نسلوں تک چلا جاتا ہے۔

ایک انسانی تخمی خلیہ میں 23 جوڑے ہوتے ہیں اور ہر جوڑے میں ان گنت جینز (Genes) ہوتے ہیں۔ یہ جینز ہی وہ اکائیاں ہیں جو والدین کے توارث کی خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں اور ان کے ذریعے والدین سے تمام تر طبعی خصوصیات اولاد میں منتقل ہوتی ہیں، یہ جین ہی بعض موروثی بیماریوں کو اولاد میں منتقل کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔

انسانی خصوصیات مثلاً قد و قامت، جلد، آنکھوں اور بالوں کا رنگ، سر کی جسامت اور ہڈیوں کی ساخت وغیرہ سب توارثی صفات ہیں۔ سیکھنے اور کام کرنے کی رفتار بھی توارث ہی کا نتیجہ ہے۔ تحقیقات سے یہ ثابت ہوا ہے کہ ذہین والدین کے بچے ذہین، متوسط ذہانت کے والدین کے بچے متوسط اور کند ذہن والدین کے بچے کند ذہن ہوتے ہیں۔ لیکن شاذ و نادر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اعلیٰ ذہانت رکھنے والے والدین کے ہاں ادنیٰ اور ادنیٰ ذہانت والے والدین کے ہاں اعلیٰ ذہانت والے بچے پیدا ہوتے ہیں۔

بچے کی نشو و نما اور بالیدگی کے وراثتی اصول

یہ کہنا اسی طرح لاحاصل ہے کہ کسی خاندان کے تمام بچے ایک ہی طرح کے ہوں گے جس طرح یہ کہنا کہ کسی خاندان میں والدین سے بچوں کو کوئی وصف منتقل نہیں ہوا۔ دراصل ماہرین نفسیات نے ان خصوصیات کو متعین کرنے کے لیے تین قسم کے عمومی توارثی اصول وضع کیے ہیں جو درج ذیل ہیں:

i- اصول مشابہت ii- اصول غیر مشابہت iii- اصول مراجعت

i- اصول مشابہت

اس اصول کی بنیاد یہ ہے کہ مشابہ چیزوں سے مشابہ چیزیں جنم لیتی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بچے کئی لحاظ سے اپنی ہی عمر اور نسل کے بچوں کی نسبت اپنے والدین سے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں۔ تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عام طور پر ذہین والدین کے بچے ذہین، متوسط والدین کے بچے متوسط اور کند ذہن والدین کے بچے کند ذہن ہوتے ہیں۔ والدین کی اکتسابی لیاقتیں نسل در نسل منتقل نہیں ہوتیں کیونکہ تخمی خلیے ان ماحولی اثرات سے متاثر نہیں ہوتے۔

ii- اصول غیر مشابہت

اس اصول کی بنیاد یہ ہے کہ مشابہ چیزوں سے غیر مشابہ چیزیں بھی جنم لے سکتی ہیں۔ یعنی یہ اصول اس تغیر کی وضاحت کرتا ہے کہ ایک ہی والدین کے بچے ذہانت، قد و قامت اور مزاج وغیرہ میں ایک دوسرے سے مختلف کیوں ہوتے ہیں اور ان کے بچوں کی بعض خصوصیات میں واضح فرق کیوں ہوتا ہے۔ اگرچہ ان بچوں کی زیادہ تر خصوصیات اپنے والدین کی متوسط خصوصیات کے گرد گھومتی ہیں لیکن ان کی بعض خصوصیات کا تعین ان کے والدین کے تخمی خلیوں کے ملاپ اور ان کی خصوصیات سے ہوتا ہے۔ اس طرح بعض اوقات یہ ہوتا

ہے کہ ذہین والدین کے ہاں کچھ کم ذہین بچے پیدا ہو جاتے ہیں اور اسی طرح متوسط والدین کے ہاں ذہین بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔

iii- اصول مراجعت

اس اصول کے مطابق انسانی بالیدگی ونشوونما کا رخ "انتہا" سے "وسط" کی جانب ہوتا ہے۔ یعنی غیر معمولی والدین کے بچے اپنے والدین کی نسبت کم غیر معمولی ہوتے ہیں۔ اصول یہ ہے کہ اپنے والدین کی نسبت اولاد متوسط اوصاف کی مالک ہوتی ہے۔ مجموعی طور پر، بجز چند مستثنیات، یہ اولاد نہ تو نشوونما کے درمیانے مقام سے نیچے گرتی ہے اور نہ ہی بہت اوپر جاتی ہے۔ مثال کے طور پر فطین والدین کے بچے اپنے والدین کی نسبت فطانت کی کم سطح پر ہوتے ہیں لیکن کم ذہین والدین کی اولاد نسبتاً متوسط ذہانت رکھتی ہے۔

نشوونما کی 'انتہا' سے 'وسط' کی طرف اس مراجعت کی دو وجوہات ہیں۔ اول یہ کہ بچے میں غیر معمولی اوصاف اپنے والدین کے تخمی خلیوں کے بہترین ملاپ کے عکاس ہوتے ہیں لیکن مجموعی طور پر وہ جن تخمی خلیوں کے حامل ہوتے ہیں وہ ان خلیوں سے جن سے وہ خود پروان چڑھے تھے، قدرے کم ہوتے ہیں یا ممکن ہے کہ والدین میں سے ایک دوسرے کی طرح غیر معمولی نہ ہوں اور وہ ایسے تخمی خلیے توارث میں نہ لایا ہو جو نئی زندگی کی تخلیق میں بہترین ملاپ کے حامل بن سکیں۔ نئی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مجموعی طور پر کند ذہن والدین کے بچے ان کی نسبت قدرے کم کند ذہن ہوتے ہیں یعنی ان کی نشوونما انتہائی سطح سے تھوڑی سی اوپر کی طرف وسطی مقام ہی کی طرف ہوتی ہے۔

بچوں میں والدین کی مشابہت

ہر بچہ اپنے والدین ہی سے توارث کی صفات حاصل کرتا ہے۔ اس کی شکل وصورت اور دیگر خصوصیات عموماً اپنے والدین سے مشابہ ہوتی ہیں۔ یہ بات بہت حد تک درست ہے مگر بعض اوقات ایسے نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ توارث کا دارومدار جینز (Genes) اور ان کے آپس میں ملنے کی ترتیب پر ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہر بچے کو جینز اپنے والدین سے ہی ملتے ہیں لیکن ان کی ترتیب کیا ہوتی ہے، یہ کوئی نہیں جانتا، لہٰذا ایک والدین کے ہاں پیدا ہونے والی اولاد میں سے کسی بچے کی صورت میں ایک قسم کے جینز کا زیادہ اثر ہوتا ہے تو دوسرے کی صورت میں کسی اور قسم کے اور تیسرے کی صورت میں تیسری قسم کے جینز کا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ الگ الگ صفات کے حامل جینز کے باہم ملنے کی وجہ سے ہی ایک والدین کے ہاں پیدا ہونے والے بچے نہ صرف آپس میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں بلکہ بعض اوقات وہ والدین سے بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔ ان جینز میں موجود توارث کے اثرات کی بدولت بچے والدین کا سا جسم، جسمانی ساخت، قد وقامت، چال ڈھال، رنگت، خدوخال اور ذہنی صفات وغیرہ حاصل کرتے ہیں۔ یہ ایسی صفات ہیں جن پر ماحول کا نہیں بلکہ توارث کا اثر ہوتا ہے۔

ماحول (Environment)

ماحول کے اثرات دراصل کسی فرد کی ذات میں تغیرات لانے والے ایسے اثرات ہیں جو باروار خلیہ بننے کے بعد اس پر خارجی طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک پودے کے پیدا ہونے اور اس کی نشوونما پر آب وہوا، کھاد اور پانی وغیرہ وہ اثرات ہیں جو اس پر خارجی طور پڑتے ہیں۔ اس لیے ان کو ماحول کا نام دیا جاتا ہے۔ ماحول بچوں کی شخصیت پر بہت اہم اور بنیادی اثرات ڈالتا ہے۔ بچوں کی بے شمار دلچسپیاں، قسم قسم کی عادتیں اور عجیب وغریب انداز فکر ان کے ماحول کے باعث ہی ہوتے ہیں۔ بچہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو بھی اس پر پڑنے والے جملہ اثرات ماحول کے اثرات کہلاتے ہیں۔ مثلاً ماں کی بیماری، خوشی، خوراک، آرام اور ماحول کے

ایسے عوامل ہیں جو پیدا ہونے والے بچے کی شخصیت پر اثر ڈالتے ہیں۔ لیکن ماحول کے نمایاں اثرات بچے کی پیدائش کے بعد ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ پیدائش کے بعد ہم ان اثرات کو مشاہدات یا اور طریقوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

بچہ پیدائش کے بعد اپنے گھر، ماحول یعنی والدین کی زبان، ان کا لب ولہجہ، مذہب، جذباتی اثرات، دلچسپیاں، رویے، پسند نا پسند، ثقافت، لباس، عادات واطوار اور دیگر بہت سے شخصی اوصاف اپناتا ہے۔ گھریلو ماحول سے وہ محلے میں نکلتا ہے، مختلف گھرانوں کے بچوں سے مل کر کھیلتا ہے، ان سے وہ بہت سے اثرات قبول کرتا ہے۔ پھر وہ سکول جاتا ہے جہاں اس کے اپنے محلے کے علاوہ دوسرے محلوں کے بچے بھی موجود ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہاں اُستاد بھی موجود ہوتا ہے لہٰذا وہ اس ماحول یعنی تعلیم، کتب، اساتذہ اور ہم جماعت ساتھیوں سے بہت کچھ سیکھتا ہے اور حاصل کرتا ہے۔ ماحول کے اثرات انسان کی کایا پلٹ دیتے ہیں۔ واٹسن (Watson) کہتا ہے کہ آپ بچے کو میرے حوالے کریں آپ جو چاہیں گے اس کو وہ بنادوں گا۔ گویا وہ بچے کو بگاڑنے اور بنانے کا ذمہ دار ماحول کو ٹھہراتا ہے۔ اسلام نے اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ بچہ اسلام کی فطرت پر معصوم پیدا ہوتا ہے۔ والدین یا معاشرہ یعنی ماحول اس کو یہودی یا عیسائی بنادیتے ہیں۔ یہ ماحول کے اثر کی واضح دلیل ہے۔

ماحول کے ذریعے انسان مختلف قسم کے تجربات کو اپنی شخصیت کا جزو بناتا ہے اور اپنی عمر کے آخری لمحات تک ان کو وسعت دیتا رہتا ہے۔ عمدہ تعلیم و تربیت کے لیے موافق ماحول نہایت ضروری ہے۔ یہ ایسی قوت ہے جو یہ فیصلہ کرتی ہے کہ ایک شخص کی استعداد یا فطری صلاحیتیں کس حد تک بڑھ سکتی ہیں۔ دنیا میں جتنی بھی نامور ہستیاں پیدا ہوئی ہیں، اگر انہیں موافق ماحول میسر نہ آتا تو آج دنیا ان کے کمالات سے محروم رہتی مثلاً قائدِ اعظمؒ، علامہ اقبالؒ، امام غزالیؒ، ابنِ خلدون، آئن سٹائن وغیرہ کی کامیابیوں میں ماحول کے اثرات بہت نمایاں تھے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کہ عمدہ سے عمدہ ماحول بھی کسی بے وقوف کو عقل مند نہیں بنا سکتا لیکن تعلیم و تربیت، عمدہ غذا اور حفظانِ صحت کے اصول اور دیگر حالات بچوں کی نشوونما پر گہرا اثر ڈالتے ہیں مثلاً ایک اعلیٰ ذہانت کا بچہ اگر ایسے ماحول میں آنکھ کھولتا ہے جہاں غربت ہے، والدین ان پڑھ ہیں، اسے تعلیم حاصل کرنے کے مواقع بھی نہیں ملتے تو اس بچے کی ذہانت کیسے پھلے پھولے گی؟ اسی طرح ایک کند ذہن بچے کو اگر ایسا تعلیمی ماحول دیا جائے جہاں اعلیٰ قابلیت کے حامل اساتذہ پڑھاتے ہوں پھر بھی وہ نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کرسکتا۔

اب سوال یہ ہے کہ توارث یا ماحول میں سے بچے کی نشوونما اور شخصیت پر کس کے اثرات زیادہ ہوتے ہیں۔ یعنی یہ کہ بچہ صرف توارث سے اثر قبول کرتا ہے یا وہ ماحول سے سب کچھ بنتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرد کسی بھی ایک عنصر (ماحول یا توارث) کی پیداوار نہیں ہوتا۔ کیا گندم کا بیج ماحول کی بدولت چنا پیدا کرسکتا ہے؟ یا کسی انسان کے ہاں حیوان پیدا ہوسکتا ہے؟ اس لیے یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ انسان، حیوان اور نباتات اپنے توارث اور ماحول کے درمیان تفاعل کا نتیجہ ہوتے ہیں البتہ انسان کے کسی کردار میں توارث کا حصہ زیادہ ہوتا ہے اور کسی میں ماحول کا لیکن یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ ایک انسان میں صرف توارث کا اثر ہو اور ماحول کا نہ ہو یا ماحول کا ہو اور توارث کا نہ ہو۔

توارث اور ماحول دونوں ہی فرد کی نشوونما پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ توارث کی تاثیر کے متعلق تو یہ ہے کہ بلند قد وقامت والدین کے بچے بالعموم اسی قد وقامت کے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے والدین کی جسمانی ساخت کا اثر بھی اسی طرح قبول کرتے ہیں لیکن توارث میں ملنے والی صفات اور خصوصیات پر ماحول کے اثرات پڑنے سے ان کی ہیئت میں کچھ تبدیلی آجاتی ہے۔ اگر اچھی اور خالص خوراک، صاف اور تازہ پانی اور خالص ہوا مناسب مقدار میں نہ ملے تو افراد کی نشوونما پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور یہ سب ماحول

ہی کا حصہ ہیں۔ کسی فرد کے اردگرد موجود حالات اور واقعات اس کا ماحول کہلاتے ہیں۔

انسانی شخصیت پر توارث اور ماحول کے اثرات کی بحث سے چند نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں جن کی روشنی میں انسانی ''فطرت اور اس کی تربیت'' کی اہمیت کو بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔

1- ماحول اور توارث کسی وصف (Trait) کو مکمل طور پر متعین نہیں کرتے۔ بعض اوصاف پر توارث کا اثر نسبتاً زیادہ ہے مثلاً قد و قامت، ذہانت کا معیار، حرکی حسی مستعدی وغیرہ، بہت زیادہ توارث کے زیر اثر ہیں۔ اس کے برعکس عادات کی تشکیل، شخصیت کی مخصوص صفات، اعتقادات، اقدار، ذاتی رویے وغیرہ میں ماحول کا دخل زیادہ ہوتا ہے۔

2- برا ماحول اچھے توارث کو دبانے کی طاقت رکھتا ہے لیکن اس کو ختم نہیں کرسکتا۔ دوسری طرف موزوں ماحول کبھی بھی عمدہ توارث کی جگہ نہیں لے سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ذہین بچے کی تربیت برے ماحول میں ہو تو اس کی بیشتر ذہنی صفات برے ماحول کی وجہ سے دب جائیں گی اور برا ماحول اپنا اثر کر جائے گا۔ اسی طرح غبی اور کند ذہن بچے کو بہتر ماحول اور مناسب تربیت سے ذہین نہیں بنایا جاسکتا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جاسکتا کہ ماحول اور تربیت کا شخصیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تربیت بیشتر انسانی اوصاف کو اجاگر کرنے کا باعث ہے۔

مختصراً توارث فرد کے کسی کام کرنے کی صلاحیت کا تعین کرتا ہے جب کہ ماحول اس کام کی نشاندہی کرتا ہے جو کوئی فرد عملی طور پر سرانجام دیتا ہے اگر اعلیٰ قسم کی مشین کی احتیاط نہ کی جائے اور اس کو برے ماحول میں رکھا جائے تو اس کی کارکردگی میں بڑی جلدی فرق آجائے گا اور اگر اس کو اچھا ماحول ملے اور اس کی مناسب احتیاط کی جائے تو اس سے اعلیٰ کارکردگی کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔ اس کے برعکس گھٹیا مشین اچھے ماحول اور احتیاط کے باوجود اعلیٰ مشین کی جگہ نہیں لے سکتی۔

وراثت اور ماحول میں ہم آہنگی

بچے کی نشوونما اور بالیدگی میں توارث اور ماحول کے اثرات کا ہم آہنگ ہونا ضروری ہے کیونکہ افراد ایسے ماحول کو اپناتے ہیں جو انکی دلچسپیوں اور لیاقتوں کے لیے زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ وہ اپنے ماحول کو اس انداز سے اپناتے ہیں کہ وہ ان کی دلچسپیوں اور صلاحیتوں سے ہم آہنگ ہوجاتا ہے مثلاً جن افراد میں موسیقی کی صلاحیت اور خوبیاں زیادہ ہوتی ہیں، وہ موسیقی کی تربیت کے مواقع تلاش کرتے ہیں۔ جن میں جسمانی توانائی اور حسی و حرکی مہارتیں زیادہ ہوتی ہیں، وہ کھیل کود (سپورٹس) کے مواقع تلاش کرتے ہیں اور جن میں محدود صلاحیتیں ہوتی ہیں وہ سادہ کام اور معمولی حالات میں زندگی گزارنے کے مواقع کے متلاشی رہتے ہیں۔ اس طرح زندگی کے سفر میں انسانی نشوونما، خصوصاً ذہنی و شخصی نشوونما خام مال کی حیثیت رکھتی ہے اور ماحول اس خام مال یعنی توارثی خصوصیات کو اپنے تقاضوں کے مطابق ڈھال لیتا ہے۔ توارث تخم کی مانند ہے۔ اگر ماحول بہتر ہے تو اس تخم سے تناور اور سرسبز درخت بنے گا اور اگر تخم ناقص ہے تو اچھے ماحول اور زرخیز زمین کے باوجود درخت کی بہتر نشوونما نہ ہوسکے گی۔ اگر اچھا توارث اور بہتر ماحول میسر ہے تو اعلیٰ اور بہتر نشوونما کی امید کی جاسکتی ہے۔

نشوونما کے اصول

تعلیم اور نشوونما کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ مناسب نشوونما کے بغیر تعلیم کا عمل مکمل نہیں ہوسکتا۔ ہم سب کے لیے نشوونما کے اصولوں کا جاننا نہایت ضروری ہے جو درج ذیل ہیں:۔

1- نشوونما ایک منظم عمل ہے۔

نشوونما ایک منظم عمل ہے۔ یہ عمل ایک مخصوص ترتیب اور طریقے کے مطابق وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اس میں ترتیب، درجہ بندی اور تسلسل پایا جاتا ہے۔ یعنی طفولیت پھر لڑکپن، نوبلوغت اور بلوغت وغیرہ۔

2- نشوونما ایک مسلسل عمل ہے۔

نشوونما ایک مسلسل عمل ہے جو پیدائش سے لے کر بڑھاپے تک جاری رہتا ہے اور زندگی کے کسی بھی لمحہ نہیں رکتا خواہ انسان سویا ہوا ہو یا جاگ رہا ہو، یہ عمل مسلسل جاری رہتا ہے۔

3- نشوونما ایک ارتقائی عمل ہے۔

نشوونما ایک ارتقائی عمل ہے۔ اس عمل میں ایک درجہ بندی پائی جاتی ہے، مثلاً جسمانی نشوونما میں بچہ پہلے بیٹھنا، پھر کھڑا ہونا اور بعد میں چلنا سیکھتا ہے۔ اس کا پہلا لفظ بولنا اسے گفتگو کی طرف مائل کرتا ہے۔ بچے کی شخصیت کا ہر نیا عمل اپنی جگہ ایک ارتقائی عمل ہوتا ہے۔

4- نشوونما ایک مربوط عمل ہے۔

نشوونما کے تمام پہلوؤں میں ایک ربط پایا جاتا ہے یہ تمام پہلو یعنی جسمانی، ذہنی، جذباتی اور معاشرتی پہلو ایک دوسرے پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ ایک کی نشوونما دوسرے کو متاثر کرتی ہے اور اسی طرح ایک میں خرابی یا تکلیف باقی سارے پہلوؤں پر اثرانداز ہوتی ہے۔

5- مختلف بچوں میں نشوونما کی رفتار مختلف ہوتی ہے۔

تمام بچوں میں نشوونما کی رفتار ایک جیسی نہیں بلکہ مختلف ہوتی ہے مثلاً اگر ایک بچہ جسمانی لحاظ سے بڑھ رہا ہے تو دوسرا ذہنی لحاظ سے۔ ماحول اور توارث کے فرق بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے ایک ہی عمر کے بچوں کی مختلف خصوصیات میں نشوونما کے لحاظ سے نمایاں فرق پایا جاسکتا ہے۔

6- کسی ایک بچے میں نشوونما کے مختلف پہلوؤں کی رفتار مختلف ہوتی ہے۔

کسی ایک بچے میں نشوونما کے مختلف پہلوؤں یعنی جسمانی، ذہنی، جذباتی اور معاشرتی نشوونما کی رفتار برابر نہیں ہوتی مثلاً ایک بچہ جسمانی لحاظ سے تو بہت صحت مند دکھائی دیتا ہے لیکن ذہنی لحاظ سے کمزور ہے یا ذہنی لحاظ سے تیز ہے لیکن جسمانی طور پر کمزور ہے۔ یہی صورت جذباتی اور معاشرتی نشوونما کی ہوسکتی ہے۔

7- لڑکے اور لڑکیوں میں نشوونما کی رفتار مختلف ہوتی ہے۔

نشوونما میں مجموعی طور پر لڑکیوں کو لڑکوں پر سبقت حاصل ہے۔ دس سال کی عمر کے بعد لڑکیوں کی جسمانی نشوونما تیز ہوجاتی ہے۔ لڑکیاں لڑکوں سے پہلے بالغ ہوجاتی ہیں۔ یہی حال ذہنی نشوونما کا ہے۔ بالغ ہونے تک یہ رفتار بھی لڑکوں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے لیکن بعدازاں لڑکے جسمانی اور ذہنی نشوونما میں تیز ہوجاتے ہیں۔

انفرادی اختلافات (Individual Differences)

انفرادی اختلافات کے موضوع نے نفسیات کو بڑی وسعت بخشی ہے۔ انفرادی صلاحیت اور کردار کے اعتبار سے بہت سے اختلافات نہ صرف نوع انسانی میں بلکہ ادنیٰ درجے کے حیوانات میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اس موضوع پر کی گئی تمام تحقیقات افراد میں وسیع انفرادی اختلافات کو ظاہر کرتی ہے۔ زیادہ تر اختلافات بے ساختہ فعالیت کی مقدار، حاجتوں کی اضافی ضرورت، حرکت کی سمت، آموزش کی رفتار اور مسائل کے حل میں دیکھے گئے ہیں۔ اس سے پہلے کہ انفرادی اختلافات پر بحث کی جائے، یہ ضروری ہے کہ پہلے ان اختلافات کے معانی اور مفہوم سے آگاہی حاصل کی جائے۔

انفرادی اختلافات کا مفہوم

انفرادی اختلافات سے مراد مختلف افراد میں صلاحیتوں اور قابلیتوں کے اعتبار سے فرق کا پایا جانا ہے۔ ان سے مراد وہ تمام اختلافات اور ایسی خصوصیات ہیں جو ایک فرد کو دوسرے فرد سے الگ اور جدا کرتی ہیں۔ یہ اختلافات، جسمانی، جذباتی، ذہنی اور معاشرتی ہونے کے ساتھ ساتھ رجحانات و میلانات میں بھی ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں بڑا تنوع پیدا کیا ہے۔ جس طرح انواع واقسام کی اشیاء ہیں اسی طرح ایک ہی قسم کی اشیاء اور جاندار اپنی انفرادی خصوصیات کی بنا پر دوسروں سے مختلف ہیں۔ ہم انسان بھی ایک دوسرے سے مشابہ، ہم رائے، ہم خیال اور مماثل ہونے کے باوجود بعض گہرے اور نمایاں اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے سے الگ خصوصیات رکھتے ہیں۔ ہمارے یہ اختلافات ہماری انفرادیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ یہ اختلافات ظاہری بھی ہو سکتے ہیں اور باطنی بھی، جسمانی بھی ہو سکتے ہیں اور کرداری بھی جب کہ اکتسابی اور غیر اکتسابی ہونا بھی ممکن ہے۔ انفرادی اختلافات کی بنیاد اور سبب توارث اور ماحول دونوں ہیں۔ فرد جس طرح دونوں عوامل کے اثرات قبول کرتا ہے، جن واقعات وحادثات سے گزرتا ہے اور جس طرح سے خود کو سب سے الگ ہستی شمار کرتا ہے، اسی میں اس کی انفرادیت پنہاں ہوتی ہے۔ ان اختلافات کو جاننے کی ضرورت اس وجہ سے بھی ہے کہ معاشرہ ہر فرد سے اس کی استعداد کے مطابق کام لے سکے اور ہر فرد بہتر مطابقت حاصل کر سکے۔

آموزش کے عمل میں انفرادی اختلافات بڑی اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ انفرادی اختلافات کو سمجھے بغیر آموزش کا عمل کامیاب نہیں بنایا جا سکتا۔ تعلیمی میدان میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی ماحول، ایک ہی استاد، ایک ہی نصاب، ایک ہی طریقہ تدریس اور ایک ہی ذہنی آزمائش کے باوجود بچوں کے تعلیمی نتائج میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض ناکام اور بعض کامیاب ہوتے ہیں اور پھر کامیابی میں بھی بہت سے اختلافات نظر آتے ہیں۔ یہی اختلافات ان کے ذہنی اختلافات کو ظاہر کرتے ہیں۔

تعلیمی میدان میں انفرادی اختلافات پر اس وقت سے اور زیادہ زور دیا جانے لگا ہے، جب تعلیمی ماحول میں تمام تر یکسانیت کے باوجود طلبہ کی آموزش اور ذہنی آزمائشوں کے نتائج میں بہت نمایاں فرق محسوس کیا گیا۔ اس موضوع پر کافی غور وفکر اور تحقیق کرنے کے بعد واضح ہوا کہ تعلیم میں بچوں کے انفرادی اختلافات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر بچوں کی آموزش کے عمل کو بہتر بنانا ہے تو ان کے باہمی انفرادی اختلافات کو پیشِ نظر رکھ کر آموزش کے عمل کے لیے بہتر منصوبہ بندی کرنا ہوگی تاکہ بچے ذہنی لحاظ سے بھی بہتر ہوں اور ان کی آموزش بھی پائیدار اور مستقل ہو۔

انفرادی اختلافات کی نوعیت

انفرادی اختلافات کی تقسیم درج ذیل طریقے پر بیان کی جاسکتی ہے:۔

i- موروثی یا پیدائشی اختلافات ii- ماحولیاتی اختلافات

i- موروثی یا پیدائشی اختلافات

موروثی یا پیدائشی اختلافات کو عام طور پر ایک ہی درجے میں شمار کیا جاتا ہے۔ فرد کو توارث کے ذریعے جو اختلافات ملتے ہیں انھیں پیدائشی اختلافات بھی کہا جاتا ہے۔ بعض پیدائشی اختلافات ایسے بھی ہوسکتے ہیں جن کا موروثی ہونا ضروری نہیں۔ بچے ایک ہی توارث رکھنے کے باوجود قد وقامت، شکل وصورت، رنگ وروپ اور وزن میں مختلف ہوتے ہیں۔

اس طرح ایک ہی والدین کی اولاد میں کچھ بچے ذہین ہوتے ہیں اور کچھ کند ذہن بھی ہوسکتے ہیں۔ یہ انفرادی اختلافات پیدائشی ضرور ہیں لیکن انھیں موروثی کہنا زیادہ مناسب نہیں ہوگا، رجحانات کے اختلافات پیدائشی ہونے کے ساتھ ساتھ موروثی بھی ہوسکتے ہیں۔ بچوں کے رجحانات لازمی طور پر وہ نہیں ہوتے جو والدین کے ہوتے ہیں۔ ایک ڈاکٹر کی اولاد میں سے ایک بچہ سائنس میں دلچسپی رکھتا ہے جب کہ دوسرا بچہ شعروادب سے لگاؤ ظاہر کرتا ہے۔ رجحانات کے یہ اختلافات ماحول کے باعث رونما ہوتے ہیں۔ جذباتی اختلافات عموماً پیدائشی ہوتے ہیں لیکن یہ موروثی بھی ہوسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ماحول بھی جذباتی اختلافات کا باعث ہوسکتا ہے۔

ii- ماحولیاتی اختلافات

انفرادی اختلافات کی دوسری بڑی وجہ ماحول کا فرق بھی ہوتا ہے کیونکہ ہر شخص کا ماحول دوسرے شخص سے مختلف ہوتا ہے۔ ماحول سے مراد وہ تمام حالات اور واقعات ہیں جو فرد کی زندگی کے گردوپیش میں رونما ہوتے رہتے ہیں، یہ حالات اور واقعات اس کی زندگی کو متاثر کرتے ہیں۔ ماحول ہی کی بنا پر افراد کی خواہشات، رجحانات اور دلچسپیوں میں فرق پیدا ہوجاتا ہے۔

ایک ہی گھر اور خاندان کے بچے ایک ہی ماحول میں رہتے ہوئے مختلف دلچسپیاں اور رجحانات رکھتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ماحول سے مراد صرف گھر کے اندرونی حالات ہی نہیں ہوتے بلکہ گھر کے ہر فرد کو گھر سے باہر نکل کر ایک الگ اور مختلف ماحول ملتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے بھی حالات مختلف ہوسکتے ہیں یا بچہ انھیں مختلف انداز میں دیکھ سکتا ہے۔ والدین گھر میں اگر کسی ایک بچے کو نظر انداز کرتے ہیں اور کسی دوسرے کو زیادہ چاہتے ہیں یا ایک کی ضروریات کا دوسرے سے زیادہ خیال رکھتے ہیں تو اس وجہ سے بھی بچے گھر کے ماحول کو ایک دوسرے سے مختلف انداز میں محسوس کرتے ہیں۔

رجحانات کے اختلافات ماحول کے باعث بھی پیدا ہوسکتے ہیں۔ اسی طرح معاشی، سماجی، ثقافتی واقتصادی اختلافات بھی عموماً ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں۔ ماحول کے باعث جذباتی اختلافات بھی پیدا ہوجاتے ہیں۔ ماحول اگر بچوں کے جذبات کو مشتعل کرنے والا ہو تو بچوں میں اشتعال کی عادت پختہ ہوجاتی ہے۔ بچوں کو اگر مناسب ماحول ملے تو ان میں صحیح جذباتی رجحان پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح کے انفرادی اختلافات زیادہ تر ماحولیاتی ہوتے ہیں، اس طرح اکتسابی یا رجحان کے اختلافات کو ماحولیاتی اختلافات بھی کہا جاسکتا ہے۔

انفرادی اختلافات کی اقسام

انفرادی اختلافات کو بہت سی اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:۔

i- جسمانی اختلافات ii- ذہنی اختلافات iii- جذباتی اختلافات

iv- رجحانات اور صلاحیتوں کے اختلافات   v- معاشی اور معاشرتی اختلافات

i- جسمانی اختلافات

یہ اختلافات عموماً توارث کے فرق کے باعث ہوتے ہیں اور پیدائشی مگر غیر اکتسابی ہوتے ہیں۔ ان میں وہ تمام اختلافات شامل ہیں جو کسی نہ کسی طرح جسم کی ساخت یا اس کی رنگت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس میں ظاہری شکل وصورت، رنگ وروپ، قد وقامت اور بعض دفعہ صحت و بیماری وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔

جسمانی اختلافات بعض مرتبہ پیدائشی نہیں ہوتے بلکہ حالات و حادثات کی بنا پر پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ جسمانی اختلافات بعض صورتوں میں واضح اور کبھی غیر واضح ہوتے ہیں۔ اگر صرف شکل وصورت اور رنگ وروپ کے اختلافات ہوں تو اس کے اثرات کو تو کم کیا جاسکتا ہے لیکن اگر بچوں میں کوئی جسمانی توارثی کمزوری یا پیدائشی نقص ہے تو یہ عموماً تعلیم پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ایسے بچے اگر اپنے ساتھیوں کے مذاق کا نشانہ بن جائیں تو وہ احساس کمتری کا شکار ہو کر تعلیم میں پیچھے رہ جاتے ہیں یا بعض مرتبہ بددل ہو کر تعلیم ترک کر دیتے ہیں۔ اس لیے تعلیم دیتے ہوئے جسمانی اختلافات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والے بچوں میں ایسے جسمانی اختلافات کا بخوبی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے جو درج ذیل نوعیت کے ہو سکتے ہیں:۔

- ایک ہی جماعت میں کچھ بچے اچھی شکل وصورت اور قد وقامت کے ہوتے ہیں اور دوسرے معمولی شکل وصورت، غیر صحت مند اور بعض بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں۔
- کچھ بچے پیدائشی یا پھر حادثات کی وجہ سے معذور ہو جاتے ہیں یا بعض جسمانی کمزوریوں یا خامیوں کا شکار ہو جاتے ہیں، مثلاً بعض کی بینائی کمزور ہوسکتی ہے تو کچھ کی قوت گویائی یا سماعت کمزور ہوسکتی ہے۔
- بعض بچے تتلا کر بولتے ہیں۔ ایسے بچے جماعت میں زیادہ بولنے سے گھبراتے ہیں۔
- وہ بچے جو کسی جسمانی عضو کے ضائع ہونے یا کسی بیماری کے باعث معذور ہو جاتے ہیں، انہیں بھی کئی دفعہ بچوں کے مذاق کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔

جسمانی اختلافات میں بچوں کا رویہ

اوپر بیان شدہ تمام علامات میں سے کوئی بھی اگر سکول کے کسی بھی بچے میں پائی جائے تو ایسے بچوں کے رویوں میں بھی اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان میں احساس کمتری پیدا ہو جاتا ہے، وہ تعلیم اور تعلیمی ادارے سے فرار کی کوشش کرتے ہیں۔ نہ انھیں اپنے استاد سے لگاؤ رہتا ہے اور نہ اپنے پرائے کی تمیز۔ ایسے بچے عموماً گھر سے بھی فرار کی کوشش کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ ایسے بچے نارمل نہیں رہتے اور ان کا ذہن بغاوت پر آمادہ ہوسکتا ہے۔

طلبہ کے جسمانی اختلافات کی صورت میں اساتذہ اور والدین کی ذمہ داری

مذکورہ بالا بچے جو کہ صحت مند بچوں کے مقابلے میں انفرادی مسائل کا شکار ہوتے ہیں یا وہ بچے جو جسمانی طور پر صحت مند نہیں ہوتے، یقیناً وہ تعلیم میں دلچسپی نہیں لے پاتے۔ اس لیے ضروری ہے کہ والدین اور اساتذہ ان بچوں کی مناسب رہنمائی کریں۔

وہ بچے جو سماعت یا قوت گویائی میں نقص رکھتے ہیں، انھیں پچھلی نشستوں پر بیٹھنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ ایسے معذور بچوں کے

والدین کا فرض ہے کہ وہ باقاعدگی سے ان کا ڈاکٹری معائنہ کرواتے رہیں۔ ان کے ساتھ محبت، ہمدردی و تعاون کو اہمیت دے کر ان کی حوصلہ افزائی کریں۔ اس طرح جو بچے شکل وصورت اور قد و قامت کے اختلافات کے باعث احساس کمتری میں مبتلا ہیں، اساتذہ اور والدین کا فرض ہے کہ انہیں عام بچوں کی طرح نہ سمجھیں بلکہ انھیں خصوصی توجہ اور پیار دیں۔

جسمانی اختلافات اگر شدید نوعیت کے ہوں تو ایسے بچوں کے لیے علیحدہ تعلیمی اداروں کا قیام عمل میں لایا جائے۔ ان کے لیے خصوصی اور الگ نصاب بنایا جائے۔ ان اداروں میں خصوصی تربیت یافتہ اساتذہ کو مخصوص طریقہ تدریس سے ان بچوں کو تعلیم دینی چاہیے۔ نابینا، گونگے یا بہرے بچے عام بچوں کے ساتھ تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ اس لیے ان بچوں کو ایسی خصوصی تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے جو انھیں معاشرے میں مناسب اور باعزت مقام حاصل کرنے میں مدد دے سکے۔

ii- ذہنی اختلافات

بچے ذہانت کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ اگرچہ ذہانت کے لحاظ سے اختلافات کا دائرہ بہت وسیع ہے لیکن مطالعے میں آسانی کی خاطر ایسے بچوں کو ذہانت کی بنیاد پر تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(الف) ذہین بچے (ب) متوسط بچے (ج) کند ذہن بچے

ذہانت کی پیمائش کے لیے ماہرین نے ایک کلیہ ترتیب دیا ہے اس کی مدد سے بچے کی ذہنی سطح کا تعین کیا جاتا ہے۔ جسے مقیاس ذہانت کہا جاتا ہے۔

$$\text{مقیاس ذہانت} = \frac{\text{ذہنی عمر}}{\text{طبعی عمر}} \times 100$$

مقیاس ذہانت کی روشنی میں ماہرین نے بچوں کو ذہانت کے لحاظ سے مزید تقسیم کیا ہے۔

بچوں کی ذہانت کا جدول

بچوں کی اقسام	مقیاس ذہانت
فطین بچے	140 یا اس سے زیادہ
ذہین بچے	110 سے 139 تک
متوسط بچے	90 سے 109 تک
کند ذہن بچے	80 سے 89 تک
کم عقل بچے	70 سے 79 تک
ناقص العقل بچے	70 سے کم

ا- فطین بچے

فطین بچے اپنی عمر سے کافی آگے کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایسے بچوں میں حالات کو سمجھنے اور اس کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کی صلاحیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ایسے بچوں میں تجسس کا مادہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ہر چیز کے جاننے کے لیے مختلف قسم کے سوالات کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے سوالات کرتے ہیں۔ مسائل کا حل بڑی آسانی سے تلاش کر

لیتے ہیں۔

ب۔ ذہین بچے

ذہین طلبہ ایسے طلبہ ہوتے ہیں جو اپنی عقل اور بصیرت کے سبب اپنے ہم عمر بچوں سے بڑھ چڑھ کر تعلیمی کام میں دلچسپی لیتے ہیں اور اعلیٰ ترین کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف تعلیمی میدان میں پیش پیش ہوتے ہیں بلکہ وہ اپنی عقل و سمجھ سے اپنے دیگر مسائل کے حل بھی خود تلاش کر لیتے ہیں۔ بعض اوقات تدریس ان کے تجسس اور دلچسپی کی تسکین سے قاصر رہتی ہے۔ لہٰذا ایسے طلبا کے لیے اُستاد کو بہت محنت اور توجہ سے کام لینا پڑتا ہے۔ ان کے لیے اعلیٰ اضافی کتب کی نشان دہی اور دستیابی کو ممکن بنانا ضروری ہوتا ہے تاکہ ان کے تجسس اور دلچسپی کی تسکین ہو سکے۔

ج۔ متوسط بچے

متوسط طلبہ اکثریت کے شانہ بشانہ چلتے ہیں، نہ تو وہ اتنے تیز ہوتے ہیں کہ زندگی کی دوڑ میں دوسروں کو پیچھے چھوڑ دیں اور نہ اتنے سست رفتار کہ ان کے لیے دوسروں کی سطح تک پہنچنا مشکل ہو جائے۔ وہ ہر میدان میں اوسط کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والے ہوتے ہیں اور یہ کارکردگی کام کی نوعیت کے اعتبار سے کم یا زیادہ ہوتی رہتی ہے۔

د۔ کند ذہن بچے

کند ذہن طلبہ ایسے طلبہ ہوتے ہیں جن کی تعلیم و تدریس کے لیے استاد کو سخت محنت کرنا پڑتی ہے، تب کہیں جا کر ان میں سے کچھ معمولی سوجھ بوجھ سے کام لینے کے قابل ہوتے ہیں۔ حصول علم پر براہِ راست اثر ڈالنے والی خوبی ذہانت ہے۔ چونکہ تمام بچے ایک جیسے ذہین نہیں ہوتے اس لیے اس فرق کے باعث بچوں کے تعلیمی نتائج میں فرق نظر آتا ہے۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ جماعت میں چند بچے تو سبق پہلی ہی کوشش میں سمجھ جاتے ہیں اور دیر تک یاد رکھتے ہیں جب کہ بعض بچے استاد کے بار بار بتانے کے باوجود کچھ نہیں سیکھ پاتے یا پھر جلد بھول جاتے ہیں۔ ایسے ہی بچوں کا شمار کند ذہن بچوں میں کیا جاتا ہے۔

ر۔ کم عقل بچے

کم عقل بچے بہت زیادہ سادہ ہوتے ہیں۔ یہ حالات کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں، ان میں خود کام کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی، سوالات کے غلط جوابات دیتے ہیں، یادداشت کم ہوتی ہے۔ کم عقل بچے عموماً اپنی طبعی عمر سے کافی کم کارکردگی کا مظاہر کرتے ہیں مثلاً یہ بچے 4-5 سال کی بجائے 6-7 سال کی عمر میں سکول جانا شروع کرتے ہیں۔ لیکن یہ بچے بمشکل چار پانچ سال کی عمر کے بچوں کے برابر ہوتے ہیں۔ یہ بچے اپنی جسمانی ضروریات کو پورا کرنے کے کسی حد تک تو اہل ہوتے ہیں لیکن کسی کام کو جلد سرانجام نہیں دے سکتے۔ ان بچوں میں خود اعتمادی بہت کم ہوتی ہے۔

س۔ ناقص العقل بچے

ناقص العقل بچوں کا مقیاس ذہانت عموماً 70 سے کم ہوتا ہے۔ ایسے بچے عام طور پر دوسرے بچوں سے ہر لحاظ سے کم کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ناقص العقل بچے مسائل کو سمجھنے کی بہت کم صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان بچوں میں ماحول کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کی صلاحیت بھی کم ہوتی ہے۔

ناقص العقل بچوں میں بعض معاشرتی خصوصیات مثلاً ہر شخص کو سلام کرنا، ہاتھ ملانا یا ہر کسی کے لیے مسکراہٹ دینا وغیرہ بھی پائی

جاتی ہیں۔

طلبہ کے ذہنی اختلافات کی صورت میں اساتذہ کی ذمہ داری

کمرہ جماعت میں استاد کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ ایک ہی طریقہ تدریس اختیار کرتے ہوئے تمام بچوں کو یکساں نصاب پڑھائے۔ اگر وہ اعلیٰ ذہانت والے بچوں کو پیشِ نظر رکھ کر تعلیم دیتا ہے تو متوسط اور کم ذہانت والے بچے دلچسپی نہیں لیتے۔ ذہانت کے اختلافات چونکہ حصول علم پر براہِ راست اثر انداز ہوتے ہیں لہٰذا ماہرین تعلیم کے لیے اس نوعیت کے مسائل نہایت توجہ طلب ہیں۔ ہمارے جیسے معاشروں میں مقیاس ذہانت معلوم کرنے کا رواج تو نہیں ہے لیکن ہم بچوں سے سوالات کے ذریعے ان کے مشاغل، گفتگو اور دلچسپیوں سے ان کی ذہانت کا اندازہ کر کے انہیں ان کی ذہانت کے مطابق تعلیم دے سکتے ہیں۔ چونکہ بچوں کے ذہنی اختلافات تعلیم میں بے حد اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اس لیے استاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ طلبہ کے درمیان تعلم کے فرق کا ان کی ذہانت کے پس منظر میں جائزہ لے اور مختلف قسم کے بچوں سے یکساں توقعات وابستہ نہ کرے۔ ورنہ ممکن ہے متوسط اور کم ذہانت والے بچے تعلیم اور تعلیمی اداروں سے بددل ہو جائیں۔ معمولی ذہانت والے بچے کیونکہ زیادہ تعلیم حاصل نہیں کر سکتے، اس لیے انہیں کوئی عملی کام سیکھنے کا موقع دیا جائے۔ انھیں ایسے مشاغل کا موقع بھی دیا جائے جن کے باعث ان کی دلچسپی بھی قائم رہ سکے اور وہ اعلیٰ ذہانت والے بچوں کے سامنے کمتری اور شرمندگی کا شکار بھی نہ ہوں۔

iii۔ جذباتی اختلافات

بچے جذباتی لحاظ سے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ تمام بچوں میں مختلف نوعیت کے جذبات موجود ہوتے ہیں۔ بعض کے جذبات شدید نوعیت کے ہوتے ہیں اور بعض جذبات پر زیادہ قابو رکھتے ہیں۔ یہ جذباتی اختلافات تعلیم کے حصول میں بے حد اہمیت رکھتے ہیں۔

ایسے بچے جو جذباتی طور پر متوازن نہیں ہوتے وہ یا تو بہت جلد مشتعل ہو جاتے ہیں یا پھر ہر وقت رنجیدہ اور خاموش رہتے ہیں، ان کے یہ غیر متوازن جذبات حصول علم میں رکاوٹ کا باعث بنتے ہیں۔ یہ معمولی ناکامی یا استاد کی معمولی سی سرزنش سے مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جن بچوں کو گھر میں مناسب توجہ اور پیار و محبت نہیں ملتا، وہ بھی جذباتی الجھنوں کا شکار رہتے ہیں، وہ یا تو سب سے الگ تھلگ رہنا چاہتے ہیں یا سکول کے نظم وضبط، اپنے ساتھیوں اور اساتذہ کے لیے مسئلہ بن جاتے ہیں۔ ایسے بچے جو جذباتی طور پر صحت مند ہوتے ہیں یا جن کے جذبات متوازن ہوتے ہیں، وہ پرسکون رہ کر حصول علم کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ بچوں کے جذبات کی شدت اور ان کا حساس ہونا ان کی جسمانی و ذہنی صحت کو متاثر کرتا ہے۔ وہ جذباتی شدت کے باعث نہ تو ذہنی یکسوئی سے کام کر سکتے ہیں اور نہ جسمانی طور پر صحت مند رہ سکتے ہیں۔ جذبات کے اثرات براہِ راست ان کی تعلیم پر مرتب ہوتے ہیں اور ان کی توجہ تعلیم سے ہٹ جاتی ہے۔ وہ تعلیم میں دلچسپی نہیں لیتے جس کے باعث وہ دوسرے بچوں سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔

طلبہ کے جذباتی اختلافات میں اساتذہ کی ذمہ داری

بچوں کی جذباتی صحت و توازن کو قائم رکھنے میں اساتذہ اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ حساس بچوں کے جذبات کا پورا پورا خیال رکھا جائے، انھیں جماعت میں ان کے ساتھیوں کے سامنے شرمندہ نہ کیا جائے۔ تمام بچوں کی جذباتی تربیت

بھی کی جائے اور انھیں اپنے جذبات پر قابو رکھنا سکھایا جائے۔ یہ مقصد صرف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب استاد بھی جذباتی صحت و توازن کا مالک ہو اور بچوں کے ساتھ صحت مند جذباتی تعلق قائم کر سکے۔ کسی بچے کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا یا کسی بچے کی طرف زیادہ جذباتی جھکاؤ اور لگاؤ دوسرے بچوں کی متوازن زندگی میں رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے اور وہ یکسوئی کے ساتھ تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ بچوں میں جذباتی اختلافات کی اہمیت کے پیش نظر استاد کو کمرۂ جماعت میں مناسب رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ بچوں کو مناسب پیار و محبت اور توجہ دی جائے تا کہ وہ تعلیم کی طرف پوری توجہ دے سکیں۔

iv۔ رُجحانات اور صلاحیتوں کے اختلافات

افراد اپنے رجحانات اور صلاحیتوں کی وجہ سے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے رجحانات اور صلاحیتیں ان کی تعلیم پر اثر ڈالتی ہیں۔ یقینی طور پر تو نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اختلافات موروثی یا پیدائشی ہوتے ہیں یا ماحول کے باعث لیکن یہ تعلیم میں اہمیت ضرور رکھتے ہیں۔ بچے تعلیم میں اسی وقت دلچسپی لیتے ہیں اور کامیابی و کامرانی حاصل کرتے ہیں جب ان کے رجحان اور صلاحیت کو پیشِ نظر رکھ کر انھیں تعلیم دی جائے، اگر انھیں ان کی صلاحیت اور رجحان کے خلاف تعلیم دینے کی کوشش کی جائے تو اول تو اس میں کامیابی کے امکان کم ہوں گے اور اگر کسی حد تک کامیابی حاصل ہو بھی جائے تو سخت محنت اور کوشش کے ساتھ ساتھ زیادہ توجہ درکار ہوتی ہے۔

بچوں کو ان کے رجحان و صلاحیت کے مطابق تعلیم دی جائے تو وہ تعلیم میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں، اور کم وقت میں کم محنت سے بہتر نتائج حاصل کرتے ہیں۔ چونکہ تمام طلبہ رجحان و صلاحیت میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اسی لیے بعض طلبہ سائنس کے مضامین میں دلچسپی رکھتے ہیں بعض کا جھکاؤ کامرس کی طرف ہوتا ہے اور بعض فنونِ لطیفہ اور ادب سے لگاؤ رکھتے ہیں۔ طلبہ کو اگر ان کے رجحان اور صلاحیت کے مطابق مضامین کے انتخاب کا موقع دیا جائے تو دلچسپی کے ساتھ تعلیم جاری رکھتے ہیں لیکن جو مضامین انہیں کسی مجبوری کے تحت یا اپنی مرضی کے خلاف یا والدین کی مرضی سے اختیار کرنا پڑیں، ان کے پڑھنے میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ وہ آخر تک مطمئن نہیں ہو پاتے اور ان میں کامیابی بھی مشکل ہوتی ہے۔

ہمارے ہاں بچوں کے رجحانات و صلاحیتوں کے اختلافات کو اہمیت نہیں دی جاتی، اس لیے تعلیم عموماً ان کی صلاحیتوں کے برعکس ہوتی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ بچوں کو ان کی صلاحیتوں اور ان کے رجحانات کے مطابق کام کرنے کے مواقع دیئے جائیں تا کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکیں وگرنہ ان کی یہ صلاحیتیں دب جاتی ہیں۔

طلبہ میں رجحانات اور صلاحیتوں کے اختلافات میں والدین اور اساتذہ کی ذمہ داری

بچوں میں رجحانات اور صلاحیتوں کے اختلافات کے حوالے سے والدین اور اساتذہ اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ تعلیم حاصل کرنے کے دوران بیشتر بچوں پر ان کے والدین کے رجحانات اور خواہشات کا غلبہ رہتا ہے اور بچوں کو اسی کے مطابق تعلیم حاصل کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے بچے اپنے رجحان کے خلاف تعلیم حاصل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں حالانکہ اس معاملے میں والدین کو صرف اپنی رائے دینی چاہیے، باقی کام بچے کی صلاحیت اور اس کے رجحان کے مطابق اسے خود کرنے دیا جائے۔ اساتذہ کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ تمام طلبہ کے لیے ایک ہی طریقہ تدریس اختیار نہ کریں بلکہ بچوں کی دلچسپی اور صلاحیتوں کے پیشِ نظر مختلف تدریسی طریقے اختیار کر کے طلبہ کو ان کے رجحانات کے مطابق تعلیم دیں۔ اساتذہ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خود بھی طلبہ کو ان کے رجحانات اور صلاحیتوں کے مطابق لگن اور محنت سے پڑھائیں تا کہ وہ کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں۔

بچے جب سکول میں داخل ہوتے ہیں تو ابتدا ہی سے ان کے رجحانات اور دلچسپیوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ہمارے ہاں تو نصاب سازی اور طریقہ تدریس میں بھی اس پہلو کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔ تمام بچوں کو تقریباً ایک ہی طریقے سے یکساں نصاب کی تعلیم دی جاتی ہے اور ان میں موجود صلاحیتوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچوں کی اکثریت تعلیم میں پوری دلچسپی نہیں لیتی۔ جب طلبہ نویں جماعت میں پہنچتے ہیں اور مضامین کے انتخابات کا مرحلہ آتا ہے اور انہیں سائنس، کامرس یا آرٹس مضامین کے گروپ میں سے کوئی ایک منتخب کرنا ہوتا ہے تو والدین کی خواہش کو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ بچے کا رجحان سائنس کی طرف ہے یا نہیں، اسے سائنس پڑھنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ عموماً اس طرح مجبور کیا جانے والا طالب علم فیل ہو کر اپنی عمر کے کئی سال ضائع کر دیتا ہے۔ اس طرح رجحان کے خلاف آرٹس کے مضامین پڑھنے پر بھی کوئی طالب علم ناکام ہو سکتا ہے اور یوں ملک کو بہت سے طلبہ کی صلاحیتوں سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ اگر تعلیم کے دوران طلبہ کے رجحانات وخواہشات اور صلاحیتوں کو مدنظر رکھا جائے اور تمام بچوں کو یکساں صلاحیت والا نہ سمجھا جائے تو تعلیم سب بچوں کے لیے کارآمد بن سکتی ہے۔

v۔ معاشی اور معاشرتی اختلافات

تعلیمی اداروں میں آنے والے بچوں کا تعلق مختلف معاشرتی حالات سے ہوتا ہے۔ اس طرح ان کے معاشی یا مالی حالات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک ان حالات کا جاننا حصول علم سے چنداں تعلق نہیں رکھتا لیکن حقائق اس کے برعکس ہیں۔

تعلیمی عمل میں ان حالات واختلافات کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ بچے جن کا معاشرتی ومعاشی پس منظر اچھا ہوتا ہے، تعلیم میں بہتر نتائج دکھاتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کی تمام تر ضروریات وخواہشات کی بہتر تکمیل ہوتی ہے، انھیں مناسب رہنمائی حاصل ہوتی ہے، حصول علم میں ان کو کوئی مالی دشواری پیش نہیں آتی، ان کو صاف ستھرا تعلیمی ماحول میسر ہوتا ہے۔ جس کے باعث وہ تعلیم میں دلچسپی برقرار رکھ سکتے ہیں اور گھر اور مدرسے کے ماحول میں تضاد محسوس نہیں کرتے۔ غریب گھرانوں سے آنے والے بچے معمولی لباس پہن کر اور معمولی غذا استعمال کر کے تعلیم کی طرف توجہ دینے کی کوشش بھی کرتے ہیں تو بھی ان کے معاشی اور معاشرتی حالات ان کی تعلیم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثلاً امیر والدین کے بچوں کو ٹیوشن کی سہولت میسر ہوتی ہے اور استاد ان کے گھر میں بھی آ کر پڑھاتا ہے جب کہ غریب بچوں کو اپنے تعلیمی وقت میں بھی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وقت نکالنا پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں بعض بچوں کو ٹرانسپورٹ کی آسانیاں ہیں۔ وہ بغیر وقت کے تعلیمی اداروں میں آتے جاتے ہیں اور بعض میلوں پیدل چل کر مشکل حالات کا سامنا کر کے تعلیمی اداروں تک پہنچتے ہیں تو انھیں تعلیم کی طرف توجہ دینے میں بڑی محنت اور کوشش کرنا پڑتی ہے۔ اسی طرح جب یہ بچے گھروں کو واپس جاتے ہیں تو انھیں اپنے گھروں کے کمزور مالی حالات کی بنا پر محنت مزدوری بھی کرنا پڑتی ہے۔ لڑکے باہر محنت کرتے ہیں اور لڑکیاں سلائی وغیرہ کر کے اپنے گھریلو اور تعلیمی اخراجات پورے کرتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے بچے تعلیم کے لیے پورا وقت نہیں دے سکتے۔ اس طرح خراب اقتصادی حالات انھیں ذہنی پریشانیوں میں مبتلا رکھتے ہیں۔ ان کی جذباتی اور جسمانی صحت کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ یوں یہ برے حالات ان کی تعلیم پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ بچے جن کے معاشرتی اور معاشی حالات بہتر نہیں ہوتے اور جنھیں اچھا ماحول نہیں ملتا، وہ تعلیم میں نمایاں کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ جب ان کی بنیادی ضروریات وخواہشات ہی کی تکمیل نہیں ہو پاتی تو وہ تعلیم کی طرف کس طرح پوری توجہ دے سکتے ہیں۔

معاشرتی ماحول بہتر نہ ہونے کی وجہ سے بھی عموماً بچے تعلیم کی طرف پوری توجہ نہیں دے پاتے۔ بعض خاندانوں میں یا تو مہذب اور تعلیم یافتہ لوگوں کا ماحول نہیں ہوتا یا پھر والدین اپنی ہی دلچسپیوں میں مشغول رہتے ہیں، اس لیے بچوں کو ضروری اور مطلوبہ رہنمائی

حاصل نہیں ہوتی جس کی وجہ سے وہ تعلیم میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔

طلبہ کے معاشی اور معاشرتی اختلافات میں اساتذہ کی ذمہ داری

تعلیمی اداروں میں اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کے ان تمام اختلافات کو پیشِ نظر رکھیں اور کام نہ کرنے یا تعلیم میں کمزور ہونے کی بنا پر بچوں کی سرزنش کرنے سے پہلے ان کی کمزوری کے اسباب معلوم کریں اور ان کی رہنمائی کریں۔ اگر ممکن ہو تو ایسے بچوں کو تعلیمی اداروں میں ایسے مواقع بھی فراہم کیے جاسکتے ہیں جن سے ان کے لیے آمدنی کے ذرائع پیدا ہوسکیں تاکہ وہ اپنی مدد آپ کے اصول پر کام کریں، ان کی انا کو ٹھیس نہ پہنچے اور ان کی تعلیمی ضروریات کی تکمیل بھی ہو سکے۔ جن بچوں کو گھر پر بہتر تعلیمی ماحول میسر نہیں ہوتا، انہیں بھی دوسرے بچوں کی نسبت زیادہ رہنمائی و توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگرچہ ہمارے تعلیمی ماحول میں جہاں بچے مختلف ماحول اور گھرانوں سے آتے ہیں اور جماعتیں پر ہجوم ہوتی ہیں، یہ کام بہت دشوار ہے پھر بھی اساتذہ کوشش کریں تو کسی حد تک ان مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

متفرق انفرادی اختلافات

مندرجہ بالا انفرادی اختلافات کے علاوہ بچوں میں بعض دوسری قسم کے انفرادی اختلافات بھی موجود ہوتے ہیں مثلاً مذہبی، ثقافتی، سیاسی اختلافات وغیرہ لیکن یہ اختلافات تعلیم پر بہت زیادہ اثر انداز نہیں ہوتے۔ ان انفرادی اختلافات پر تھوڑی سی توجہ دی جائے اور اساتذہ اپنا رویہ مناسب رکھیں تو ان پر با آسانی قابو پایا جاسکتا ہے۔ استاد کسی خاص نظریے، مذہب یا ثقافت، تمدن کے طلبہ کو اہمیت و فوقیت نہ دے۔ اگر وہ آفاقی اقدار کو پیشِ نظر رکھے اور تعلیم و تربیت کے صحیح طریقوں کو اپنائے تو اس قسم کے اختلافات عموماً تعلیم کی راہ میں حائل نہیں ہوتے۔

طلبہ کے متفرق اختلافات میں اساتذہ کی ذمہ داری

ایک استاد کے لیے بچوں میں پائے جانے والے ان تمام اختلافات سے آگاہ ہونا ضروری ہے تاکہ بچوں کو انفرادی اختلافات کی روشنی میں تعلیم دی جائے۔ تدریس کو مؤثر بنانے کے لیے معلم کو مندرجہ ذیل اصولوں کو مدِنظر رکھنا چاہیے:۔

- استاد کو بچوں کا انفرادی طور پر مطالعہ کرنا چاہیے اور ان کی انفرادی دلچسپیوں، ضروریات، خواہشات، مشکلات اور مسائل کا پتہ لگانا چاہیے تاکہ بچوں کی صحیح مدد اور رہنمائی کی جاسکے۔ بعض بچوں کو اپنی پسند کے مضامین منتخب کرنے کا موقع نہیں ملتا جب کہ بعض کی تعلیم و تربیت کے لیے انفرادی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔
- معلم کے لیے بہت ضروری ہے کہ بچوں کی انفرادی خصوصیات سے آگاہ ہو۔ اسے اس بات کا پتہ ہو کہ کون سا طالب علم کس مضمون میں کمزور ہے اور کہاں اس کو انفرادی توجہ کی ضرورت ہے۔ ایسی جماعتیں جن میں بچوں کی تعداد زیادہ ہو اور استاد کے لیے بچوں کی انفرادی ضروریات و اختلافات کی طرف توجہ دینا مشکل ہو، وہاں بچے انفرادی مشکلات کا حل نہ ملنے کی وجہ سے کمزور رہ جاتے ہیں اور ان کی ایسی کمزوریاں جماعتی تدریس کی مدد سے دور نہیں ہوسکتیں۔
- بعض بچوں کو خصوصی تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ دوسرے بچوں سے مختلف قسم کی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ فطین ہیں یا کند ذہن یا ان میں سے کچھ جسمانی نقائص میں مبتلا ہیں۔ ایسے تمام بچے خصوصی تعلیم کے محتاج ہوتے ہیں۔ بچوں کی انفرادی خصوصیات کو مدِنظر رکھ کر ان کو مختلف نوعیت کے مضامین کا انتخاب کرنے میں مدد دینی چاہیے۔ ایسے بچوں کی

آئندہ زندگی کے لیے موزوں پیشے کے انتخاب میں بھی مدد کرنی چاہیے تاکہ وہ آئندہ زندگی میں خود بھی کامیاب ہوں اور ملک وقوم بھی ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا سکیں۔

- بچوں کے انفرادی اختلافات کے مطابق ان کی بہتر تعلیم کے لیے ضروری ہے کہ ان کو موزوں طریقہ ہائے تدریس سے تعلیم دی جائے تاکہ ان کی انفرادی صلاحیتوں کو بھرپور نشوونما کا موقع ملے۔

اہم نکات

1۔ انسانی نشوونما سے مراد وہ تمام تغیرات اور تبدیلیاں ہیں جو کسی فرد میں زندگی کے آغاز سے لے کر انجام تک رونما ہوتی ہیں۔

2۔ بچے کی نشوونما میں دو عوامل توارث اور ماحول اس کی شخصیت کے تعین میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

3- ماہرین نفسیات نے بچے کی نشوونما اور بالیدگی کے تین توارثی اصول وضع کیے ہیں:
اصول مشابہت، اصول غیر مشابہت، اصول مراجعت۔

4- انفرادی اختلافات کی نوعیت: موروثی یا پیدائشی اختلافات، ماحولیاتی اختلافات۔

5- انفرادی اختلافات کو بہت سی اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: جسمانی اختلافات، ذہنی اختلافات، جذباتی اختلافات، معاشی اور معاشرتی اختلافات۔

آزمائشی مشق

معروضی حصہ

1- ہر بیان کے ساتھ دیئے گئے جوابات میں سے موزوں ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

i- اعضا کی کارکردگی اور ان کے باہمی ربط میں تبدیلی کے عمل کو کیا کہتے ہیں؟

(الف) نشوونما (ب) بالیدگی (ج) ماحول (د) توارث

ii- توارث سے مراد وہ تمام صفات ہیں جو بچہ پیدائشی طور پر کہاں سے حاصل کرتا ہے۔

(الف) اپنے ماحول سے (ب) اپنے آباؤاجداد سے (ج) بیضہ سے (د) سپرم سے

iii- ایک انسان کے تخمی خلیہ میں کتنے جوڑے ہوتے ہیں؟

(الف) 23 (ب) 25 (ج) 20 (د) 21

iv- ماں کے پیٹ میں بچے پر کون سے اثرات ہوتے ہیں؟

(الف) داخلی طور پر (ب) خارجی طور پر (ج) داخلی وخارجی دونوں طور پر (د) نسل در نسل

2- درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں۔

i- نشوونما اور بالیدگی کے توارثی اصولوں کی فہرست مرتب کریں؟

ii- بچوں میں کس قسم کے انفرادی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ نام لکھیں؟

iii- ذہانت کے اعتبار سے بچوں کی درجہ بندی کا جدول تیار کریں۔

vi- بچوں میں پائے جانے والے کم از کم پانچ جسمانی اور پانچ تعلیمی اختلافات کی فہرست تیار کریں۔

-3 کالم(ا) اور کالم(ب) کا تقابلی موازنہ کالم(ج) میں لکھیں۔

کالم(ا)	کالم(ب)	کالم(ج)
1-وہ تغیرات اور تبدیلیاں جو کسی فرد کی زندگی کے آغاز سے انجام تک رونما ہوتی رہتی ہیں۔	1-توارثی اختلافات	
2-وہ تبدیلیاں جو کام کرنے کی صلاحیت پر اثر انداز ہوتی ہیں۔	2-انفرادی اختلافات	
3-انسانی جسم یا اس کے کسی بھی حصے میں ہونے والی مقداری تبدیلیاں	3-توارث اور ماحول	
4-بچے کی نشوونما کا توارثی اصول	4-اصول مراجعت	
5-نشوونما میں کارفرما عوامل	5-نشوونما	
6-صلاحیتوں اور قابلیتوں کا فرق	6-نمو	
7- قدوقامت کے اختلافات	7-بالیدگی	
	8-ماحولی اختلافات	

-4 جملوں کو مناسب ترین الفاظ سے مکمل کریں۔

-i جسم میں مقداری اضافے کو.................. کہتے ہیں۔

-ii افعال و وظائف کی بنا پر جسم میں ہونے والی تبدیلی.................. کہلاتی ہے۔

-iii لڑکے اور لڑکیوں میں نشوونما کی رفتار.................. ہوتی ہے۔

-iv نشوونما ایک.................. عمل ہے۔

-v بچے کی نشوونما میں توارث اور.................. کا ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔

-vi بچوں کی تعلیم کے عمل میں.................. بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

-vii انفرادی اختلافات بچوں کی.................. اور قابلیتوں میں پائے جانے والے فرق کا نام ہے۔

-viii تعلیم کے دوران بچوں کی.................. خواہشات کو مدِ نظر رکھا جائے۔

-ix موروثی اختلافات میں جسمانی،.................. اور جذباتی اختلافات شامل ہیں۔

-x کند ذہن بچوں کا مقیاس ذہانت.................. تک ہوتا ہے۔

حصہ انشائیہ

5۔ نشوونما اور بالیدگی کے تصورات کی تعریف بیان کریں اور ان کے باہمی فرق کی وضاحت مثالوں سے کریں۔

6۔ نشوونما کے اہم اصول بیان کریں نیز واضح کریں کہ ایک معلم کے لیے ان اُصولوں کا جاننا کیوں ضروری ہے؟

7- ماہرینِ نفسیات نے توارثی خصوصیات متعین کرنے کے لیے کون سے اصول وضع کیے ہیں؟ تفصیل سے بیان کریں۔

8- بچے کی نشوونما کے لیے توارث اور ماحول میں ہم آہنگی کیوں ضروری ہے؟ عام زندگی کی مثالوں سے واضح کریں۔

9- انفرادی اختلافات سے کیا مراد ہے؟ بچوں میں رجحانات اور صلاحیتوں کے اختلافات کے پیشِ نظر والدین اور اساتذہ کو کیا کردار ادا کرنا چاہیے۔

10- انفرادی اختلافات کا جاننا معلم کے لیے کیوں ضروری ہے؟ تفصیل سے بیان کریں۔

11- انفرادی اختلافات کا علم نصاب اور طریقۂ تدریس کے انتخاب میں ماہرینِ تعلیم کی کس طرح معاونت کرسکتا ہے؟ وضاحت کریں۔

پانچواں باب

تعلّم

(Learning)

پچھلے باب میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ ہر فرد میں پیدائش سے لے کر موت تک مسلسل تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ بچہ، پیدائش کے وقت چل پھر سکتا ہے، نہ خود کھا پی سکتا ہے، نہ اپنی ضرورت کا اظہار کرسکتا ہے، نہ بول سکتا ہے اور نہ کھیل کود میں حصہ لے سکتا ہے۔ غرضیکہ وہ اس قابل نہیں ہوتا کہ اپنی ضرورتوں، یا اپنی خواہشات کی تکمیل کر سکے، تاہم جوں جوں وقت گزرتا ہے وہ شیر خوارگی سے بچپن کی عمر میں داخل ہوتا ہے۔ اب وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہوسکتا ہے، اپنے ہاتھوں سے چیزوں کو پکڑ سکتا ہے، چل کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے۔ اپنی ماں، اپنے باپ، اپنے بہن بھائیوں اور خاندان کے لوگوں کو پہچان لیتا ہے۔ اسی طرح بڑھتی عمر کے ساتھ اس میں لاتعداد تبدیلیاں وقوع پذیر ہوجاتی ہیں یوں فرد کی زندگی میں اگر کوئی چیز اہم ترین ہے تو وہ ''تبدیلی کا عمل'' ہے۔ یہی تبدیلی کا عمل اسے زندگی گذارنے کے قابل بنا دیتا ہے۔

ذیل میں دی ہوئی مثالوں پر غور کیجئے۔ یہ تمام تبدیلیاں اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں:

مثال نمبر 1: بچے نے ''غوں غاں'' کرنا شروع کر دیا ہے۔

مثال نمبر 3: بچے نے حروف (الف، ب وغیرہ) کو پہچان کر موزوں آوازیں نکالنا شروع کر دیا ہے۔

مثال نمبر 4: دس سال کی عمر کا بچہ سائیکل چلانے کے قابل ہوگیا۔

مثال نمبر 4: دس سال کی عمر کا بچہ سائیکل چلانے کے قابل ہوگیا۔

مثال نمبر 5: بچے نے استاد کے لکھائے ہوئے الفاظ لکھنا شروع کر دیئے اور اب وہ کسی بھی وقت بولے ہوئے یہ الفاظ لکھ سکتا ہے۔

مثال نمبر 6: اس نے میز پر سے کتاب اٹھائی۔

ان تمام مثالوں پر غور کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ تبدیلی ''واقع ہوئی'' ہے یا'' واقع ہوتی ہوئی'' لگتی ہے۔ دیکھا جائے تو فرد میں تبدیلی اس وقت رونما ہوتی ہے جب وہ (فرد یا بچہ) کسی ''تجربہ'' سے گذرتا ہے۔ مثالوں میں بیان کی ہوئی تبدیلیاں مختلف قسم کی تبدیلیاں ہیں۔ ان میں سے بعض تبدیلیاں فطری صورت میں پیدا ہوتی ہیں جو مستقل نوعیت کی ہیں جبکہ دوسری تبدیلیاں عارضی ہیں۔

ان مثالوں پر غور کیجئے۔ پہلی اور چھٹی مثال میں رونما ہونے والی تبدیلیاں، فطری نوعیت کی تبدیلیاں ہیں۔ دوسری مثال میں بیان کی گئی تبدیلی عارضی یا وقتی تبدیلی ہے، جبکہ تیسری، چوتھی اور پانچویں مثالوں میں پیش کی گئی تبدیلیاں بچے کی شخصیت کا مستقل حصہ بن گئی ہیں۔ وہ پڑھنے، لکھنے، یا سائیکل چلانے کا کام اپنی زندگی کے ہر دور میں کرسکتا ہے۔ وہ ان تجربات کو بھولے گا نہیں۔ ان میں مسلسل اضافہ کرسکتا ہے اور ان تجربات کی بنیاد پر نئے افعال بھی انجام دے سکتا ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ اس قسم کی تبدیلیاں:

1- مستقل نوعیت کی ہوتی ہیں۔ 2- تسلسل کے ساتھ جاری رہتی ہیں۔

3- ان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ 4- وہ نئی تبدیلیوں کے لئے بنیاد فراہم کرتی ہیں۔

یہ تبدیلیاں، ان تجربات کی وجہ سے ہوتی ہیں جو بچے کو مختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں۔ وہ گھر ہو، گلی محلہ ہو، بازار ہو، خاندان کے لوگ ہوں، بزرگ ہوں یا بچے ہوں غرضیکہ تجربات ہی فرد کے افعال میں تبدیلیوں کا موجب ہوتے ہیں۔ اس قسم کی مستقل

تبدیلیاں، ایک خاص عمل کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

مستقل قسم کی رونما ہونے والی تبدیلیوں کا سبب، ایک خاص قسم کا عمل ہے۔ یہ عمل کسی 'مہیج' کے فرد پر وارد ہونے سے شروع ہوتا ہے اور اس مہیج کے بار بار وارد ہونے کی صورت میں فرد کے کردار میں تبدیلی کے اس عمل کو 'نفسیات' کی اصطلاح میں 'تعلم' کہتے ہیں۔

تعلم کی تعریف (Definition of Learning)

اب تک کی بحث سے بات واضح ہوگئی ہے کہ فرد کے کردار میں وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیاں، فرد کو پیش آنے والے تجربات کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ ان میں کچھ عارضی اور فطری ہوتی ہیں۔ دیگر تبدیلیاں، مستقل نوعیت کی ہوتی ہیں۔ فرد کو یہ تجربات اس کے ماحول سے حاصل ہوتے ہیں۔ فرد کا یہ ماحول اس کے گھر سے شروع ہوتا ہے اور تسلسل کے ساتھ ملک اور کرہ ارض تک پھیل جاتا ہے۔ گھر میں وہ ابتدائی چیزیں سیکھتا ہے جبکہ پختگی تک پہنچتے ہوئے وہ اپنے علم اور تجربے میں اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔ تمام تبدیلیاں اچھی ہوں یا بری، سب کی سب اگر مستقل، اور پائیدار ہیں اور فرد کو اس قابل بنائیں کہ وہ روزمرہ پیش آمدہ مسائل سے نبرد آزما ہو سکے تو ہم کہیں گے کہ فرد "تعلم" کے عمل سے گذر کر باصلاحیت ہوگیا ہے۔

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ "تعلم" ہے کیا؟ یہ کیسا عمل ہے؟ اس عمل کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تبدیلی کو کیا کہیں گے؟ آیئے "تعلم" کی تعریف کرتے ہیں۔ تعریف کے سلسلے میں (۱) عمل، (۲) تبدیلی، (۳) تجربہ، اور (۴) ماحول پیش نظر رہیں۔

'تعلم' کی تعریف یوں کر سکتے ہیں:

تعلم ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے ماحول میں پیش آنے والے تجربات کی وجہ سے فرد کے کردار میں مستحکم اور مستقل تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں جو اس فرد کو اپنے ماحول میں مناسب انداز سے اپنا کردار انجام دینے اور پیش آنے والے مسائل کو حل کرنے کے قابل بنا دیتی ہیں۔

تعلم کی اس تعریف کے مطابق، عمل تعلم، دراصل فرد کے کردار میں ایسی تبدیلی پیدا کرنے والا عمل ہے جو مستقل اور مستحکم نوعیت کی ہوتی ہیں۔ فرد کے ماحول میں لاتعداد مہیجات موجود ہوتے ہیں۔ یہ مہیجات، فرد پر وارد ہوتے ہیں۔ فرد ان مہیجات کے جواب میں کوئی عمل (کام) سرانجام دیتا ہے۔ بار بار ایک ہی قسم کے مہیجات کی صورت میں کردار میں مستقل قسم کی تبدیلی رونما ہو جاتی ہے۔

تجربے سے واسطہ پڑنے پر فرد کا ردعمل اسے مزید تجربات سے گذرنے کے قابل بنا دیتا ہے۔ تجربے بھی دو صورتوں میں ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ فرد خود اس تجربے سے گذرے۔ یہ براہِ راست تجربہ ہوگا۔ دوسری صورت میں فرد کسی دوسرے فرد پر کسی خاص قسم کے مہیج کے اثرات کا مشاہدہ کر کے اپنے کردار میں موزوں تبدیلی لے آئے۔ یہ بالواسطہ تجربہ ہوگا۔ بہر حال تجربہ براہِ راست ہو یا بالواسطہ، دونوں "تعلم" کے زمرے میں آتے ہیں، بشرطیکہ ان سے کردار میں مستقل و مستحکم تبدیلی وجود میں آ گئی ہو۔

یاد رہے کہ تعلم کا عمل، مسلسل جاری رہنے والا عمل ہے۔ اس میں ذہانت، عمر، جنس، جگہ کی کوئی قید نہیں۔ بچہ ہو یا بالغ، عورت ہو یا مرد، سیکھنے کا عمل جاری رہتا ہے جس کے نتیجے میں کرداری تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔

تعلم کے طریقے (Methods of Learning)

تعلم کے درج ذیل چار طریقے ہیں:۔

i- تعلم بذریعہ سعی وخطا ii- تعلم بذریعہ نقل (تقلید)

iii- تعلم بذریعہ بصیرت iv- تعلم بذریعہ عمل

اب ان تمام طریقوں کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

i- تعلم بذریعہ سعی وخطا (Learning by Trial & Error)

تعلم کا یہ سب سے پہلا اور بنیادی طریقہ ہے۔ ہر فرد کو زندگی میں بے شمار مسائل سے واسطہ پڑتا ہے۔ ماحول میں موجود لا تعداد مہیجات فرد پر وارد ہوتے رہتے ہیں۔ اگر فرد ان مسائل کے حل تلاش نہ کر سکے تو وہ بہتر اور خوشگوار زندگی نہیں گذار سکے گا۔ فرض کیجئے کہ بچہ سائیکل چلانا چاہتا ہے۔ وہ بار بار سائیکل پر سوار ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ پیڈل پر پاؤں رکھتا ہے۔ اچھل کر سیٹ پر بیٹھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن گر پڑتا ہے وہ بار بار کے عمل سے یہ سمجھتا ہے کہ جب تک وہ صحیح طور پر سائیکل کو بیلنس نہیں کر سکے گا اس وقت وہ سائیکل چلانا نہیں سیکھ سکتا۔ وہ اپنی غلطیوں (یعنی خطا) کا فہم حاصل کرتا ہے اور اپنی اس خطا کو دور کر کے سائیکل پر سوار ہونا، ہینڈل کو بیلنس کرنا اور پیڈل مار کر سائیکل کو چلانا سیکھ لیتا ہے۔

یہ اور ایسے ہی بے شمار مسائل اسے درپیش ہوں گے۔ اس سلسلے میں وہ کوشش کرے گا۔ بار بار غلطیاں کرے گا۔ کوئی موزوں حل اسے میسر نہیں آئے گا۔ بچہ، تختی پر حروف لکھنے کی کوشش کرے گا۔ ہر بار حروف صحیح نہیں لکھ سکے گا۔ بالآخر وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

سعی وخطا کا یہ طریقہ درج ذیل اقدامات پر مشتمل ہے:

ا۔ درپیش مسئلہ یا ضرورت کا احساس ہونا۔

ب۔ مسئلہ یا ضرورت کی نشان دہی کرنا۔

ج۔ مسئلہ کے حل کے لئے کوشش کرنا۔

د۔ اتفاقیہ کامیابی یا ناکامی۔

ر۔ کامیابی کی صورت میں مسئلہ کے حل کو دہرانا یا ناکامی کی صورت میں مسئلہ کے حل کی دوبارہ کوشش کرنا۔

س۔ اپنی کوشش کے دوران غلطیوں کو دور کرنا اور کامیابی کی صورت میں حل کی تکرار کرنا۔

ش۔ موزوں اور مناسب حل کا تلاش کر لینا یا ضرورت کا پورا ہو جانا اور اس کام کو ذہن نشین کر لینا۔

اس طریقے میں فرد کے پاس پہلے سے کوئی حل موجود نہیں ہوتا۔ اسے اپنی ضرورت پورا کرنے کا کوئی طریقہ نہیں سوجھتا۔ وہ اللہ کی دی ہوئی عقل استعمال کر کے کوشش میں لگا رہتا ہے۔ کوشش کرتا رہتا ہے۔ اس کوشش کے دوران اس سے غلطیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں لیکن وہ صحیح حل کی طرف اپنا کام جاری رکھتا ہے اور موزوں حل تلاش کر لیتا ہے یوں اس کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ اس طرح جو حل یا کام کا جو طریقہ اس نے پالیا، وہ اس فرد کی زندگی اور کردار کا باقاعدہ حصہ بن جاتا ہے اور اس کے کردار میں مستقل تبدیلی رونما ہو جاتی ہے۔

ii- تعلم بذریعہ نقل (تقلید) (Learning by Imitation)

دوسرا طریقہ "نقالی" کا طریقہ ہے۔ اس طریقے کے مطابق بچہ جو کچھ دوسروں کو کرتے ہوئے دیکھتا ہے، اسے دہرانے کی کوشش کرتا ہے۔ خود زیر عمل لا کر اسے اپنے تعلم (کردار) کا حصہ بنا لیتا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ کچھ کام تمام لوگ فطرتاً انجام دیتے ہیں۔

مثلاً بھوک لگنے پر کھانا۔ پانی پینا۔ سردی لگنے پر کانپنا۔ اس طرح کے افعال نقالی کے زمرے میں نہیں آتے ۔ یہ فطری افعال ہیں۔

بچہ اپنے گھر میں اپنے ماں، باپ، اپنے بھائی بہنوں دادا دادی اور خاندان کے دیگر افراد کو مختلف کام کرتے ہوئے دیکھتا ہے، ان کی باتیں سنتا ہے، ان کے کام کرنے کے طریقوں پر توجہ دیتا ہے، ان کے رویوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ بچہ ان کی نقالی کی کوشش کرتا ہے کہ وہ اسی طرح کام کرے جیسے باقی لوگ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ ماں کے بولے ہوئے الفاظ کو غور سے سنتا ہے، پھر ان کو بالکل اسی انداز سے ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ خاندان کے لوگوں کو دائیں ہاتھ سے کھانا کھاتے ہوئے دیکھ کر خود بھی دائیں ہاتھ سے کھانا شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح وہ بہت سی باتیں نقل کر کے سیکھتا ہے۔ نقالی کا یہ عمل ساری عمر جاری رہتا ہے۔ لیبارٹری میں تجربہ کرنے کے لئے طالب علم سائنسی سامان اسی طرح منظم کرتا ہے جس طرح استاد نے پہلی بار منظم کیا تھا۔ بچیاں اپنی ماں کو دیکھ کر روٹی پکانے کا عمل دہراتی ہیں۔ چھوٹے بہن بھائیوں کو ماں کے انداز میں لوریاں سناتی ہیں۔

غرضیکہ نقالی کا یہ عمل مختلف صورتوں میں جاری رہتا ہے۔ تعلم کے اس طریقے میں درج ذیل امور اہمیت کے حامل ہیں:

ا۔ کسی کام کو ہوتے ہوئے دیکھنا۔ (مشاہدہ)

ب۔ اس کو دہرانے کی کوشش کرنا۔

ج۔ ناکامی کی صورت میں اپنی غلطی کا ادراک کرنا۔

د۔ غلطیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنا۔ اور اسی کام کو دوبارہ کرنا۔

ر۔ کام کو اپنے طور پر انجام دینا اور پختہ کر لینا۔

بہر حال، ہم سب اپنی زندگی میں بہت سی چیزیں نقالی کے عمل کے ذریعے سیکھتے ہیں۔ وہ چاہے بولنا ہو، صحیح تلفظ کی ادائیگی ہو، کھیل کے میدان میں بھاگنا دوڑنا ہو، کھانے پینے کے طریقے ہوں، لباس کا استعمال ہو یا اپنی ضرورتوں کے اظہار کا انداز ہو غرض کہ ہماری زندگیوں کے لاتعداد اور بے شمار کام اسی نقالی کا نتیجہ ہیں۔

iii- تعلم بذریعہ بصیرت (Learning by Insight)

تعلم کا ایک اہم طریقہ 'بصیرت' ہے۔ بصیرت دراصل ایک ایسا عمل ہے جس میں فرد، اپنے سابقہ علم مہارت یا صلاحیت کی بنیاد پر اپنی شعوری کوشش سے درپیش مسائل کو فوری حل کرنے کی استعداد حاصل کر لیتا ہے۔ یہ طریقہ 'تعلم سعی و خطا، نقل وتقلید اور تشریط کے مقابلے میں پیچیدہ ہے۔ اس طریقہ میں فرد (بچہ) اپنے گذشتہ تعلم کو کام میں لا کر نئے مسائل کو حل کرنے یا نئے مہیجات کے ردعمل کے لئے اپنی ذہنی صلاحیتیں استعمال میں لاتا ہے۔ وہ نئے مسئلہ کا مفہوم جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ مسئلے کا تعین کرتا ہے۔ مسئلے کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتا ہے موزوں اور غیر متعلقہ پہلوؤں کی نشان دہی کرتا ہے، یوں وہ اصل مسئلہ یا مہیج کو تمام غیر متعلقہ امور سے علیحدہ کر کے اس کا تعین کر لیتا ہے اور اس مسئلہ یا مہیج کا حل تلاش کر لیتا ہے۔ بعد ازاں وہ اس حل کو زیر عمل لا کر یا اس کا مکمل فہم حاصل کر کے اپنے تعلم میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔

فرد اپنے گذشتہ علم، مہارت اور رویوں کو بروئے کار لا کر اپنے مسئلے کا کلی فہم حاصل کر لیتا ہے۔ بالآخر وہ یکا یک کہہ اٹھتا ہے "میں نے پالیا"۔

بصیرت کے ذریعے تعلم کے اقدامات درج ذیل ہیں:

ا۔ ماحول کا مکمل ادراک حاصل کرنا۔ یعنی فرد اپنے اردگرد موجود تمام اشیا اور وسائل سے واقف ہو کر انہیں استعمال میں لانے کا فہم

حاصل کرلیتا ہے۔

ب۔ مسئلہ کو حل کرنے کے لئے کسی محرک کا موجود ہونا۔ اس قدم میں مقصد کو اہمیت حاصل ہوتی ہے یعنی مسئلہ کو حل کرنے کی ضرورت کا احساس لازمی ہے۔ فرد کو یہ جاننا کہ اگر مسئلہ حل ہوگیا، مشکل دور ہوگئی یا مہیج کا اثر دور ہوگیا تو اس کا فائدہ کیا ہوگا۔

ج۔ سابقہ تجربات (علم، مہارتوں، طریقوں وغیرہ) کو کام میں لانا، یعنی فرد اپنے سابقہ تعلم اور تجربوں کی بنیاد پر یہ طے کرتا ہے کہ کون سے تجربات، موجودہ مسئلے کے حل میں مددگار ہو سکتے ہیں۔

د۔ شعوری کوشش کرنا یعنی فرد گذشتہ تجربات کو استعمال میں لا کر سوچ بچار کرتا ہے اور کسی فوری حل پر پہنچ جاتا ہے۔

ان اقدامات کی بنیاد پر فرد، اعلی سطح کا علم اور مہارتیں سیکھ جاتا ہے۔ تاہم "فوری" کسی حل پر پہنچنا، اس طریقہ میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔

-iv تعلم بذریعہ عمل (Learning by Doing)

اگر طالب علم کوئی کھیل سیکھنا چاہے تو یہ بات اسی وقت ممکن ہے جب وہ عملی طور پر اس کھیل میں حصہ لے گا۔ اگر وہ خوش خطی سیکھنا چاہے تو اسے بار بار عملی طور پر لکھنا ہوگا۔ تب ہی اس کا خط درست ہوگا۔ فرد کو تقریر کرنا اسی وقت آئے گا جب وہ سٹیج پر کھڑا ہو کر تقریر کرے گا اور مجلس کو باقاعدہ مخاطب کرے گا۔ مہارتیں اسی وقت آئیں گی اور تعلم کا حصہ بن سکیں گی جب وہ ان مہارتوں پر کام کرے گا۔ زندگی میں انسان جن تجربات سے گذرتا ہے وہی تجربات اس کے تعلم کا حصہ بن جاتے ہیں۔ تعلم بذریعہ عمل میں قبل ازیں بیان کئے ہوئے بعض طریقے بھی استعمال میں آتے ہیں۔ عمل کے دوران بچہ غلطیاں کرتا ہے، ان غلطیوں کو دور کرنے کے لئے وہ اس کام کو دوبارہ صحیح انداز سے کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ عملی طریقہ تعلم کے ذریعے عموماً وہی تعلم حاصل ہوتا ہے جس کا تعلق مہارتوں سے ہو۔ تاہم دیگر تعلم میں بھی یہ مددگار رہتا ہے۔ مہارتوں پر مکمل عبور صرف اسی وقت ممکن ہے جب کسی فرد نے انہیں عملی طور پر انجام دیا ہو۔

تعلم بذریعہ عمل کے سلسلے میں فرد کو عام طور پر درج ذیل اقدامات کرنا ہوتے ہیں:

-i فرد یہ طے کرتا ہے کہ وہ کیا حاصل کرنا چاہتا ہے؟ اس کو کون سی مشکل درپیش ہے؟ وہ کیا علم حاصل کرنا چاہتا ہے؟ کیا اس کے لئے کوئی علم حاصل کرنا ضروری ہوگیا ہے؟ وغیرہ

-ii اس مرحلہ پر فرد غور کرتا ہے کہ مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اسے کون سے عملی قدم اٹھانا ہوں گے؟

-iii فرد مختلف اقدامات میں سے موزوں ترین قدم یا اقدام منتخب کرتا ہے۔

-iv اب فرد اس موزوں ترین قدم یا اقدام پر کام کرتا ہے۔ وہ کام خواہ علمی نوعیت کا ہو یا مہارت۔ اس کام کے ذریعے وہ یہ طے کر لیتا ہے کہ موزوں قدم (کام کا طریقہ) آئندہ کام آئے گا یا نہیں۔ کامیابی کی صورت میں وہ نتیجہ اس کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے۔ تاہم ناکامی کی صورت میں بھی وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس کام میں موجود غلطیوں کو دور کرکے نیا علم، نئی مہارتیں اور نئے رویے اپنا سکے۔

عملی طریقہ، تعلم، سیکھنے اور آئندہ کے تجربات کے لیے "مضبوط" بنیادیں فراہم کردیتا ہے۔

قوانینِ تعلم (Laws of Learning)

تعلم، کردار کی تبدیلی کا عمل ہے۔ اس کے تین قوانین ہیں جو تھارن ڈائیک نے پیش کئے۔

-i قانون آمادگی -ii قانونِ مشق -iii قانونِ تاثیر

-i قانونِ آمادگی (Law of Readiness)

فرد وہی کچھ سیکھتا ہے جس کے لئے وہ آمادہ ہو۔ آمادگی میں دو باتیں بہت اہم ہیں۔ اولاً فرد کو وہ صلاحیتیں یا استعداد حاصل ہو جو کسی تعلم کے لئے ضروری ہے۔ ثانیاً یہ کہ وہ کسی بات کو سیکھنے کی خواہش اور تمنا رکھتا ہو۔ ہم کسی بچے کو چلنے کے عمل پر تیار نہیں کر سکتے، جب تک وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی استعداد حاصل نہیں کر لیتا۔ جب بچہ کھڑا ہو سکتا ہے تو وہ چلنے پھرنے کے عمل کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ آمادگی کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ بغیر خواہش اور مقصد کے بچہ سیکھنے کے عمل کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ بھرپور خواہش تعلم کے عمل میں تیزی پیدا کر دیتی ہے۔ بعض صورتوں میں کوئی رکاوٹ بھی بچے کے لئے محرک کا کام دیتی ہے۔ فرد اس رکاوٹ کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یوں مزید تعلم کے عمل سے گذرتا ہے۔

بچہ اگر جسمانی اور ذہنی طور پر تیار نہیں ہے تو تعلم مکمل نہیں ہوگا۔ یوں سمجھئے کہ آمادگی کسی کام کے لیے گرمانے کے عمل (Warm Up) کا کام دیتی ہے۔ تعلم میں کامیابی یا ناکامی کا انحصار اسی آمادگی پر ہے۔ خواہش، آرزو، مقصد، کوفت، تھکاوٹ، رکاوٹیں، جذباتی ہیجان، سابقہ علم، مہارتیں، ذہنی سطح اور تعلم کے عمل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ دراصل آمادگی خواہش کی مانند ہے۔ بچہ وہی نئی بات سیکھ سکتا ہے جس کے لیے اس کے پاس پہلے سے کچھ علم موجود ہو۔ جس بچے نے کبھی سیب ہی نہ دیکھا ہو وہ نہ تو اس کا رنگ بتا سکتا ہے، نہ مزا بتا سکتا ہے اور نہ ہی اس کا سائز اور شکل بتا سکتا ہے۔ یہ عمل بھی اسی وقت ممکن ہے جب بچے میں سیکھنے کی چاہت موجود ہو۔ یعنی خواہش کے ساتھ اس کے رویے اور علم بھی اسے نئے تعلم کے لئے تیار کریں گے۔

-ii قانونِ مشق (Law of Exercise)

قانونِ مشق سے مراد یہ ہے کہ جس کام (عمل) کو کثرت سے یا بار بار کیا جائے، وہ فرد کے تعلم میں مستقل اور مستحکم حیثیت حاصل کر لیتا ہے۔ جبکہ جن کاموں کو استعمال میں نہ لایا جائے وہ بھول جاتے ہیں۔ مشق کی بنیاد پر تعلم کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ کوئی بھی فرد نہایت آسانی اور سہولت کے ساتھ اس کام کو دہرا سکتا ہے۔ جس کام کو کسی فرد نے دہرا لیا تو اس سے اس کام کو کرنے میں غلطیاں سرزد نہیں ہوں گی۔ مائیں بچوں کو بار بار ایک ہی لفظ دہرواتی ہیں (ابا یا اماں وغیرہ) تا کہ بچہ تکرار کے ذریعے اس لفظ کو ذہن نشین کر کے دہرا سکتا ہے۔ بچوں کو حروف کو صحیح انداز سے لکھنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ وہ بار بار ان حروف کو لکھتے ہیں تا کہ وہ ان کی لکھائی پر مکمل عبور حاصل کر لیں۔ جونہی کسی کام کو ترک کر دیا جائے، اس کام کو کرتے وقت بڑی دقت پیش آتی ہے لہٰذا قانونِ مشق تعلم کے عمل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

-iii قانونِ تاثیر (Law of Effect)

اس قانون سے مراد ہے کہ تعلم کے سلسلے میں کام کرنے والے پر جیسے اثرات مرتب ہوں گے تعلم بھی ویسا ہی ہوگا۔ اگر کام کے نتائج خوشگوار صورت میں ظاہر ہوں تو تعلم پختہ ہوتا جائے گا جبکہ تکلیف دہ صورتِ حال کے نتیجے میں بچہ اس کام کو کرنے سے گریز کرے گا۔ یوں تعلم پر منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ مہیج اور ردِ عمل میں ربط کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس عمل میں فرد کو خوشی اور اطمینان ملتا ہے یا تکلیف پہنچتی ہے۔

ہم اپنی روزمرہ زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ بچے یا تو خوشی خوشی مدرسے جاتے یا پھر روتے، چیختے، چلاتے۔ اس کی وجہ بھی دراصل بچے کے وہ تجربات ہیں جو انہیں یا تو خوشی اور مسرت سے ہم کنار کرتے ہیں یا پھر ان کے لئے تکلیف کا باعث ہوتے ہیں۔ جو بچہ روتا، چیختا اور چلاتا مدرسے جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کے ساتھ اس کے استاد کا سلوک سخت ہو۔ تعلم کے اس عمل میں دو صورتیں پیش

آسکتی ہیں۔ایک یہ کہ بچے کوکوئی کام کر کے خوشی ملتی ہو۔اس کا کوئی مقصد پورا ہوتا ہو۔کام کر کے بچے کولذت محسوس ہوتی ہو۔ دوسری صورت میں بچے کو وہ کام اچھا نہ لگے۔اس کام سے یا اس کام کے دوران کوئی تکلیف دہ واقعہ پیش آئے۔کام میں رکاوٹیں پیش آئیں تو تعلم دیر پا نہیں ہوگا۔ مثال کے طور پر بعض بچے استاد کی سزا سے بچنے کے لئے بھی کام کو اچھے طریقے سے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اس میں بھی ایک مثبت پہلو ہے۔یعنی سزا سے بچنا۔یہ بھی ممکن ہے کہ استاد کی سزا بچے میں باغیانہ کیفیت پیدا کردے۔یوں تعلم پر منفی اثرات مرتب ہوں گے۔اس کے برعکس بہتر اثرات اور خوشگوار اور پرمسرت نتائج کی صورت میں تعلم کی رفتار تیز ہو جائے گی۔ ایسا تعلم دیر پا، مستحکم اور مستقل ہوگا۔

تعلم کی شرائط (Conditions of Learning)

تعلم کسی بھی طریقے یا قانون کے تحت انجام پذیر ہو۔کچھ عوامل ایسے ہیں جو تعلم کے عمل پر اثر انداز ہو کر، اس کی رفتار تیز یا سست کر دیتے ہیں۔وہ تعلم میں سہولت پیدا کرتے ہیں یا رکاوٹ کا باعث بن جاتے ہیں۔ان کی موجودگی کو سیکھنے کے دوران پیش نظر رکھنا فرد کے لئے بے حد ضروری ہے۔ان عوامل کو تعلم کی بہتری کے لئے شرائط بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

یوں تو زندگی میں فرد کے تعلم پر قدم قدم پر لاتعداد عوامل اثر انداز ہوتے ہیں۔تاہم درج ذیل عوامل اپنی اہمیت کے اعتبار سے نمایاں ہیں:

i- آمادگی، مشق اور تاثیر ii- تحریک iii- دلچسپی iv- توجہ v- معنویت vi- رویے

i- آمادگی، مشق اور تاثیر (Readiness, Exercise and Effectiveness)

ان تینوں پر ہم قوانینِ تعلم کے تحت گفتگو کر چکے ہیں۔وہی فرد جلد سیکھ سکتا ہے جو تعلم کے لئے تیار ہو۔پھر سیکھے ہوئے علم، مہارتوں یا رویوں کو بار بار کر کے تعلم کو پختہ کر لے۔اگر اس کی یہ کوششیں مؤثر ہوں (اور ان کے اچھے نتائج برآمد ہوں) تو تعلم دیر پا ہوگا۔

ii- تحریک (Motivation)

تحریک کسی فرد کی داخلی کیفیت کا نام ہے جو اس فرد میں لگن، خواہش، احتیاج، رجحان اور جذبہ و حوصلہ پیدا کرتی ہے۔اس طرح وہ اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے۔کسی بھی کام کو کرنے کے لئے محرک کا ہونا لازمی ہے۔محرک، کوئی اندرونی خواہش، جذبہ، رجحان اور ضرورت ہو سکتی ہے۔تاہم بیرونی حالات بھی فرد کو کوئی کام کرنے، اسے پورا کرنے اور کسی منزل تک پہنچنے پر اکسا سکتے ہیں۔محرک اندرونی ہو یا بیرونی، ہر دو فرد کو بے چین کیے رکھتے ہیں۔کبھی تو یہ محرک باہر سے فرد پر اثر انداز ہوتا ہے اور دوسری صورت میں وہ اندر سے ابھرتا ہے۔یہ محرک قریب ترین یا فوری مقصد ہو سکتا ہے۔ایک دور افتادہ مقصد بھی محرک کا عمل انجام دے سکتا ہے۔بچہ سوچتا ہے کہ اسے گھر کا کام مکمل کرنا چاہیے وگرنہ استاد سزا دے گا۔"استاد کی سزا سے بچنا" فوری مقصد ہے۔جبکہ سالانہ امتحان میں پاس ہونا دور کا مقصد ہے۔تاہم یہی محرکات طالب علم کو تعلم کے حصول میں لگن سے کام کرنے کی ترغیب دیں گے۔

iii- دلچسپی (Interest)

فرد جس کام میں تسکین اور فرحت محسوس کرتا ہے، اسے شوق اور لگن سے انجام دیتا ہے۔ہر فرد کی دلچسپی دوسرے فرد سے مختلف

ہوتی ہے۔ دلچسپی، اندرونی خواہش کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ یوں سمجھئے کہ ہر بچہ کھیل کود میں بڑے شوق سے حصہ لینے کو تیار ہو جاتا ہے جبکہ کسی مشکل کام کو کرنے سے گریز کرتا ہے۔

دلچسپیاں، عمر کے مختلف درجات پر مختلف ہوتی ہیں۔ لڑکوں کی دلچسپیاں، لڑکیوں سے مختلف ہوتی ہیں۔ دلچسپیاں، وقت اور حالات کے تحت بھی بدلتی رہتی ہیں۔ بچہ کو جس قسم کے تجربات سے واسطہ پڑتا ہے، وہ اپنی دلچسپیاں تبدیل کر لیتا ہے۔ دلچسپیوں کے اختیار کرنے میں بنیادی بات 'خوشی' کا حصول ہے۔ بچے کو جس کام سے خوشی حاصل ہوتی ہے، وہ اس کام کو اختیار کر لیتا ہے۔ ابتدائی عمر میں بچے جنوں، پریوں کی کہانیاں اور حیرت انگیز واقعات سننے اور پڑھنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں جب کہ بڑی عمر کے افراد اپنی دلچسپی کی کتابیں پڑھنے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اسی طرح لڑکے اور لڑکیاں مختلف قسم کے کھیل اور کام پسند کرتے ہیں۔ بہر حال بچے ایسا علم اور مہارتیں جلد حاصل کر لیتے ہیں جن کے کرنے سے انہیں راحت اور آرام ملتا ہے۔ اس لحاظ سے دلچسپی تعلم کے عمل میں اہم رول ادا کرتی ہے۔

-iv توجہ (Attention)

توجہ سے مراد، فرد کا کسی عمل یا کام کی طرف دھیان دے کر اس کام کو کرنا ہے۔ یہ ایک ذہنی کیفیت ہے۔ اس کیفیت کی بدولت ایک فرد کسی مہیج اور اس کے ردعمل میں مطابقت پیدا کرتا ہے۔ اس کا ذہن باہر سے آنے والے اشاروں کی جانب متوجہ ہوتا ہے، ان پر دھیان دیتا ہے، ان کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں اس کی تمام تر ذہنی قوتیں مستعد ہو کر کام کی حقیقت کو سمجھنے میں مصروف ہو جاتی ہیں۔

جب ایک فرد کسی چیز یا کام یا واقعہ یا مہیج کی طرف رخ کرتا ہے تو اس کے تمام تر حواس، اس چیز یا کام یا مہیج کو سمجھنے میں محو ہو جاتے ہیں۔ فرد اس چیز یا کام یا واقعہ کو دیکھتا یا پرکھتا ہے، ان آوازوں پر غور کرتا ہے جو اس کام کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں۔ یہ تمام پیغامات جو دیکھنے اور سننے وغیرہ سے وصول ہوتے ہیں انہیں ذہن میں لا کر ان کا تجزیہ کرتا ہے اور پھر اپنے ردعمل کا اظہار کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر بچے کمرہ جماعت میں بیٹھے استاد کی گفتگو سن رہے ہیں۔ یکا یک کمرے کے باہر دھماکہ ہوتا ہے۔ بچے استاد کی بات سننا بھول جائیں گے اور اس دھماکے پر غور کرنا شروع کر دیں گے۔ وہ چاہیں گے کہ انہیں پتہ چلے کہ یہ کیا ہوا ہے؟ کیوں ہوا ہے؟ اسی طرح بعض صورتوں میں، آواز کا زیر و بم، خاموشی، زوردار آواز، کوئی انہونا واقعہ، کوئی خوبصورت تصویر وغیرہ ہماری توجہ کو اپنی جانب مبذول کر لیتے ہیں۔

توجہ کا عمل، تعلم میں سہولت پیدا کرتا ہے۔ اگر بچے کسی کام کو دلچسپی اور توجہ کے ساتھ کریں تو تعلم کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔

v - معنویت (تعلم کا بامعنی ہونا) (Meaningful/ Relevent)

بچے وہی چیزیں بآسانی سیکھتے ہیں یا سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کے نزدیک کوئی معنی رکھتی ہیں۔ بامعنی ہونے کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ فرد جس چیز یا کام کو سیکھ رہا ہے وہ کس حد تک اس کے لیے فائدہ مند ہے۔ کیا جو کام وہ کر رہا ہے یا آئندہ انجام دے گا اس کے لئے مفید ہوگا یا نہیں؟ لہٰذا بچے وہ چیزیں جلد اور صحیح انداز میں سیکھتے ہیں جن کے بارے میں ان کو یقین ہو جائے کہ وہ مستقبل میں ان کے کام آئیں گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جو کچھ وہ سیکھنے کی کوشش کر رہا ہے وہ دوسرے لوگوں کے لئے قابلِ قبول ہے؟ یعنی کیا وہ کام معاشرتی طور پر اچھا سمجھا جائے گا؟ تیسری صورت یہ ہے کہ جو کام وہ فرد انجام دے رہا ہے وہ کسی مقصد کی تکمیل میں کام آئے گا؟ یعنی معنویت (بامعنی ہونا) کا مفہوم یہ ہوگا: (۱) وہ کام فائدہ مند ہے، (۲) وہ کام معاشرتی طور پر قابلِ قبول ہے اور (۳) وہ کام کسی

مقصد کو حاصل کرنے میں مددگار ہے۔ اگر یہ تینوں باتیں موجود ہیں تو تعلم "بامعنی" ہوگا وگرنہ نہیں۔ افراد انہیں کاموں کو کرتے ہیں جن کے بارے میں انہیں یقین ہو کہ وہ درج بالا تینوں شرائط پوری کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر بچے کچھ دیر تک تو 'بے تکے اور بے معنی' الفاظ یاد رکھ سکیں گے، لیکن انہیں جلد ہی بھول جائیں گے۔ جبکہ اچھی خوبصورت زبان میں لکھی ہوئی نظمیں، کہانیاں یا کارآمد و مفید باتیں دیر تک یاد رہیں گی۔ بچے پہاڑے یاد رکھتے ہیں کہ وہ ان کی روزمرہ زندگی میں کام آتے ہیں۔ تاہم دقیق قسم کے فارمولے بھول جاتے ہیں کہ وہ ان کی روزمرہ زندگی میں کام نہیں آتے۔ غرضیکہ بامعنی علم، مہارتیں، کام، رویے وغیرہ تعلم کی رفتار کو تیز بھی کرتے ہیں اور اسے استحکام اور استقلال بھی بخشتے ہیں۔

vi- رویہ (Attitude)

رویے سے مراد فرد کی وہ اندرونی کیفیت ہے جو کسی کام یا چیز یا جذبے کو منتخب کرنے یا اسے رد کرنے کے عمل پر اثرانداز ہوتی ہے۔ فرد، ذہنی یا جذباتی طور پر کسی کام کو اچھا سمجھتا ہے یا برا گردانتا ہے۔ وہ کسی فرد کے بارے میں مثبت خیال رکھتا ہے یا اس شخص کے بارے میں اس کی سوچ منفی ہے۔ وہ کسی چیز کو جائز سمجھتا ہے یا ناجائز۔

افراد کے اس طرح کے خیالات اور تصورات کو رویے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ رویوں کا بنیادی تعلق ان اقدار سے ہوتا ہے جو معاشرے میں مجموعی طور پر اختیار کی گئی ہوتی ہیں۔ بچہ، اپنے خاندان سے مثبت اور منفی رویے سیکھتا ہے۔ وہ اپنے عزیزوں کو جس طرح کے ردعمل کرتے ہوئے دیکھتا ہے، وہی انداز خود بھی اختیار کر لیتا ہے۔ بعض رویے معاشرے میں پیش آنے والے تجربات سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر معلم کا سلوک سخت ہے تو بچے اس سے ڈرتے ہیں۔ ڈرتے ہوئے کام کرتے ہیں۔ اس طرح تعلم میں بہتری پیدا نہیں ہوتی۔ اس معلم اور اس کے مضمون کے بارے میں بھی بچوں کا رویہ منفی ہو جائے گا۔ یوں اس مضمون میں بچوں کی کارکردگی غیر تسلی بخش ہونے کا قوی امکان ہے۔ غرضیکہ بچوں کے مثبت یا منفی رویے ان کے تعلم پر بے حد اثرانداز ہوتے ہیں۔

تعلم کے نظریات (Theories of Learning)

اب تک کی گفتگو میں ہم تعلم کے بارے میں خاصی تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔ ہم نے جان لیا ہے کہ (۱) تعلم کیا ہے؟ (۲) تعلم کن طریقوں سے حاصل ہوتا ہے؟ (۳) تعلم کے قوانین کیا ہیں؟ اور (۴) تعلم کی شرائط اور اس پر اثرانداز ہونے والے عوامل کیا ہیں؟ ماہرینِ نفسیات نے تحقیق کر کے تعلم کے عمل کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے یہ جاننے کی کوشش بھی کی ہے کہ تعلم کس طرح واقع ہوتا ہے؟ سیکھنے کا عمل کس طرح جاری و ساری ہوتا ہے؟ مہیجات اور ردعمل (جواب) میں تعلق کیسے قائم ہوتا ہے؟ کیا صرف بیرونی عوامل ہی فرد کے تعلم پر اثرانداز ہوتے ہیں؟ ایسے بے شمار سوالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ماہرین نفسیات نے اپنی تحقیقات جاری رکھیں۔ ان ماہرین کی تحقیق اور جستجو کے نتیجے میں دو طرح کے نظریات وجود میں آئے جو درج ذیل ہیں۔

i- کرداریت کا نظریۂ تعلم ii- وقوفی نظریہ تعلم

i- کرداریت کا نظریۂ تعلم (Behaviouristic Theory of Learning)

کرداریت کے حامی اور ماہر افراد کے نزدیک تعلم کو فرد کے ظاہری کردار میں تبدیلی کی صورت میں سمجھا اور بیان کیا جاتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ فرد کے تعلم کو صرف اس انداز سے سمجھا جاتا ہے کہ وہ ظاہری طور کیا افعال و اعمال انجام دیتا ہے۔ اس کی شخصیت میں کیا فعلیاتی اور ظاہری تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ وہ تعلم کو 'مہیج' اور اس کے 'جواب' یا 'ردعمل' کے درمیان گہرے تعلق کی صورت میں بیان

کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ فرد، وہی کچھ کرتا ہے اور جو وہ کسی پیش آمدہ مہیج کے ردِ عمل کے طور پر وہی کچھ سیکھتا ہے۔ فرد کا ہر عمل (فعل) اس 'مہیج' کے ساتھ مشروط ہو جاتا ہے اور جب وہ مہیج بار بار فرد پر اثر انداز ہوتا ہے تو فرد کی جانب سے ادا کردہ 'ردِ عمل' میں پختگی پیدا ہو جاتی۔ اس طرح فرد کا یہ ردِ عمل اس کے کردار میں مستحکم اور مستقل تبدیلی کا باعث بن جاتا ہے۔

کرداریت کے حامی ماہرین کا خیال ہے کہ فرد کے تعلم کو صرف اس کے ظاہری عمل سے پہچانا جاسکتا ہے۔ ان کی رائے ہے کہ جب دو تجربات یا واقعات ایک وقت میں وقوع پذیر ہوتے ہیں تو دونوں واقعات اور تجربات میں ایک طرح کا ربط و تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ اگر یہی واقعات و تجربات بار بار وقوع پذیر ہوتے رہیں تو وہ مستقل ربط کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ بعد ازاں اگر صرف ایک واقعہ یا مہیج وارد ہو تو اس کے جواب میں دوسرا واقعہ یا ردِ عمل ظاہر ہو جاتا ہے۔ 'مہیج' اور 'جواب' کے اس تعلق کو ماہرینِ نفسیات 'تشریط' کا عمل کہتے ہیں۔

کرداریت کے نظریات میں درجِ ذیل، ذیلی نظریات شامل ہیں:

i- نظریہ ربط (اسے تھارن ڈائک (Thorndike) نے پیش کیا تھا۔)

ii- کلاسیکی تشریط (پاؤلوف (Pavlov) نے یہ نظریہ پیش کیا تھا۔)

iii- فعلیاتی تشریط (سکنر (Skinner) اس نظریہ کو سامنے لایا تھا۔)

ان تمام ذیلی نظریات میں 'مہیج' اور 'جواب' میں گہرے اور مستقل تعلق کی صورت میں تعلم کی وضاحت کی گئی ہے۔

ii- وقوفی نظریہ تعلم (CognitiveTheory of Learning)

ان نظریات کے حامل ماہرین نفسیات کے نزدیک، تعلم کی بنیاد ظاہری عمل کے برعکس فرد کی وقوفی کیفیات ہیں مثلاً ذہنی صلاحیتیں، جذباتی رجحانات، فہم و ادراک وغیرہ اس امر کا تعین کرتے ہیں کہ وہ کسی 'پیش آمدہ مہیج' کا 'جواب' کس صورت میں دے۔ اس نظریہ کے ماہرین فرد کی سوچ اور فکر، رجحانات، جواب دینے کی استعداد کو تعلم کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ فرد کی سوچ اور فکر میں جو تبدیلی رونما ہوتی ہے وہ فرد کے ظاہری کردار کو متاثر کرتی ہے۔ یعنی فرد کا ظاہری کردار اس کی کیفیت کا مظہر ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ فرد سیکھنے کے عمل میں اپنے پورے ماحول پر غور کرتا ہے۔ ماحول میں موجود تمام مہیجات اور واقعات میں اپنی ذہنی فکر اور استعداد کے مطابق ربط قائم کرتا ہے اور درپیش مسئلہ کو حل کرنے کے لئے اس مربوط ذہنی کاوش کو زیرِ عمل لاتا ہے۔

یوں ان کے نزدیک صرف ایک 'مہیج' اور اس کے 'جواب' کے درمیان براہِ راست تعلق کو تعلم نہیں کہہ سکتے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ فرد، ماحول سے ان ہی مہیجات پر توجہ دیتا ہے جو اس کے مقصد کو حاصل کرنے میں مددگار ہو سکتے ہیں۔ وہ ضروری اور کارآمد مہیجات کو منتخب کر کے باقی کو رد کر دیتا ہے۔ اس 'انتخابِ مہیجات' یا 'ردِ مہیجات' میں فرد کی وقوفی صلاحیتیں اور ذہنی عمر اہم کردار ادا کرتی ہیں کیونکہ باطنی صلاحیتوں اور ذہنی فکر کا تعلق 'وقوف' سے ہے اسی لئے اس نظریہ کو 'وقوفی' نظریۂ تعلم کا نام دیا گیا ہے۔ لہٰذا ان ماہرین کے نزدیک اصل تبدیلی فرد کی 'فکر' اور 'باطنی اعمال' میں آتی ہے جو فرد کے ظاہری کردار کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ سو تعلم ایک باطنی عمل ہے اور ظاہری افعال اس کا عکس ہیں اس لئے ظاہری کردار، باطنی تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں۔

وقوفی نظریات کے حامل افراد میں ابتداً کوفکا (Kofka)، کوہلر (Kohler) اور ورتھیمر (Wertheimer) شامل تھے۔ اس کے علاوہ ژاں پیاجے برونر، وگوٹسکی (Vigotsky)، اوسوبل (Ausubel)، رابرٹ گانے (Robert Gagne) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں سے اہم نظریات کے نام یہ ہیں:

-i گیسٹالٹ (Gestalt) کا نظریۂ تعلم

-ii معلومات کے تجزیہ کا نظریہ

-iii بصیرت کا نظریۂ تعلم

-iv علمی ساخت کا نظریۂ تعلم

اہم نکات

-1 تعلم فرد کے کردار میں، خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی، مستحکم اور مستقل تبدیلی کا نام ہے جو مختلف تجربات کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔

-2 تعلم کے حصول میں بہت سے طریقے کام میں آتے ہیں، ان میں سے اہم یہ ہیں: سعی وخطا، نقل وتقلید، بصیرت، اور عمل

-3 تعلم کے تین بنیادی قوانین ہیں؛ آمادگی، مشق اور تاثیر۔

-4 تعلم پر لاتعداد عوامل اثر انداز ہو کر اس کی رفتار کو تیز یا سست کر سکتے ہیں یا اسے مستحکم اور مستقل صورت عطا کر سکتے ہیں۔ ان میں آمادگی، مشق، تاثیر، تحریک، دلچسپی، توجہ، معنویت، اور رویے شامل ہیں۔

-5 تعلم یعنی فرد کیسے سیکھتا ہے کے بارے میں مختلف نظریات پیش کئے گئے ہیں۔ ان نظریات کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ یعنی کرداری نظریاتِ تعلم اور وقوفی نظریاتِ تعلم۔

آزمائشی مشق

معروضی حصہ

-I ہر بیان کے ساتھ دیئے گئے جوابات میں سے موزوں ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

-i تعلم کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تبدیلیاں کس قسم کی ہوتی ہیں؟

(ا) عارضی نوعیت کی (ب) مستقل نوعیت کی (ج) طبعی قسم کی (د) نفسی حرکی یا جذباتی قسم کی

-ii تعلم سے فرد میں

(ا) بہت سی عادات جنم لیتی ہیں۔ (ب) بے شمار جذباتی کیفیات رونما ہوتی ہیں۔

(ج) معاشی صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ (د) مستقل قسم کی کرداری تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔

-iii بچہ صرف وہی کچھ

(ا) سیکھتا ہے جو اسے سکھایا جائے۔

(ب) سیکھتا ہے جو گھر کے ماحول میں ہوتا ہے۔

(ج) سیکھتا ہے جس کی وہ خواہش رکھتا ہے۔

(د) سیکھتا ہے جو ارد گرد کے ماحول میں ہوتا ہے اور مہیج کی صورت میں اس کے کردار پر وارد ہوتا ہے۔

-iv تعلم سے فرد میں ایسی استعداد پیدا ہوتی ہے جو اسے مسائل کو

(ا) صرف جاننے میں مدد دیتی ہے۔ (ب) سمجھنے اور انہیں حل کرنے میں مدد دیتی ہے۔

(ج) تجربے کے ذریعے سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ (د) دور کرنے میں مدد دیتی ہے۔

v- کرداریت کے نظریات کے ایک ذیلی نظریہ یعنی نظریہ ربط کو درج ذیل میں سے کس نے پیش کیا؟
(ا) پاؤلوف (ب) سکنر (ج) تھارنڈائیک (د) واٹسن

2- مندرجہ ذیل بیانات میں سے کچھ بیانات صحیح ہیں اور کچھ غلط اگر بیان صحیح ہے تو "ص" کے گرد اور اگر غلط ہے تو "غ" کے گرد دائرہ لگائیں۔

i- طبعی تبدیلیاں غیر مستقل قسم کی ہوتی ہیں۔ ص / غ
ii- بچے کا دھاکہ سن کر چونک پڑنا عارضی تبدیلی ہے۔ ص / غ
iii- تعلم کے ذریعے پیدا ہونے والی تبدیلیاں عارضی ہوتی ہیں۔ ص / غ
iv- سعی و خطا کے طریقہ تعلم میں بچے سے خطائیں سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ ص / غ
v- "کسی کام میں اتفاقیہ کامیابی" کا تعلق "تعلم بذریعہ نقل" سے ہے۔ ص / غ
vi- بصیرت کے ذریعہ تعلم میں فرد کے سابقہ علم کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ ص / غ
vii- بصیرت کے ذریعے اعلیٰ سطح کا علم حاصل نہیں ہوتا۔ ص / غ
viii توجہ کا عامل (Factor) تعلم میں صرف رکاوٹ کا باعث بنتا ہے۔ ص / غ
ix- استاد کا سخت سلوک، بچے میں منفی رویوں کو جنم دیتا ہے۔ ص / غ
x- کرداریت کے نظریات تعلم میں بچے میں تعلم کے نتیجے میں ظاہری طور پر پیدا ہونے والی تبدیلیاں زیر مطالعہ ہوتی ہیں۔ ص / غ

3- درج ذیل جملوں میں خالی جگہوں کو مناسب الفاظ لگا کر پر کیجئے۔

i- تعلم کے نتیجے میں، فرد کے کردار میں پیدا ہونے والی تبدیلیاں .... نوعیت کی ہوتی ہیں۔
ii- بچے کا "غوں غاں" کرنا .... تبدیلی کے زمرے میں آتا ہے۔
iii- تعلم کے تین قوانین .... نے تجویز کیے تھے۔
iv- فطری یا طبعی تبدیلیوں کے لیے مقررہ .... کو بدلا نہیں جاسکتا۔
v- کسی تجربے کا راحت بخش یا سکون پرور نتیجہ، اصل قانون .... سے تعلق رکھتا ہے۔
vi- اگر کوئی فرد، کسی دوسرے فرد پر کسی قسم کے مہیج کے اثرات کا مشاہدہ کر کے اس سے پیدا ہونے والی تبدیلی کو خود بھی اختیار کرے تو اس کا یہ تجربہ، .... تجربہ ہوگا۔
vii- تعلم بذریعہ سعی و خطا کے دوران، فرد سے بار بار .... سرزد ہوتی ہیں جن کو دور کر کے وہ اپنے مسئلے کو حل کر لیتا ہے۔
viii- مہارتوں پر مکمل عبور اسی وقت ممکن ہے جب فرد ان مہارتوں کو .... طور پر انجام دیتا ہے۔
ix- آمادگی کا ایک مفہوم یہ ہے کہ تعلم، بغیر .... کے ممکن نہیں ہوتا۔
x- تحریک، فرد کی داخلی کیفیت کا نام ہے جو فرد کو کسی .... کے حصول کے لیے لگن یا خواہش پیدا کرتی ہے۔
xi- توجہ کے عمل میں فرد کی تمام تر ذہنی قوتیں .... ہو کر کام کی حقیقت کو سمجھنے میں مصروف ہو جاتی ہیں۔
xii- تعلم کے بامعنی ہونے کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ فرد وہی چیز یا کام سیکھتا ہے جو اس کے لیے .... ہو۔

xiii- رویے سے مراد، فرد کی وہ اندرونی کیفیت ہے جو اسے کسی کام کو.......................کرنے پر تیار کرتی ہے۔

4- درج ذیل سوالات کے مختصر جواب لکھیے۔

-i طبعی تبدیلی سے متعلق دو مثالیں لکھیے۔

-ii ''تجربہ'' سے کیا مراد ہے؟

-iii تعلم کی تعریف اپنے الفاظ میں لکھیے؟

iv۔ ''مہیج'' کسے کہتے ہیں؟

v۔ تعلم بذریعہ سعی و خطا کی ایک مثال لکھیے۔

-vi تعلم بذریعہ نقل (یا تقلید) کے اقدامات بیان کیجیے۔

-vii بصیرت کی تعریف لکھیے۔

viii- آمادگی کا مفہوم صرف دو جملوں میں لکھیے۔

-ix دلچسپی میں کون سی چیز سب سے اہم ہے؟

-x تعلم کے ''بامعنی'' ہونے سے کیا مراد ہے؟

انشائیہ حصہ

5- تعلم بذریعہ عمل سے کیا مراد ہے؟ اس طریقہ تعلم کے اقدامات تحریر کر کے مثالیں دے کر ان کی وضاحت کیجیے۔

6۔ قانون تاثیر کی مثالیں دے کر وضاحت کیجیے۔

7- تعلم پر اثر انداز ہونے والے عوامل لکھیے۔ کسی عامل (Factor) کو تفصیل سے بیان کیجیے۔

چھٹا باب

معاشرہ، کمیونٹی اور تعلیم

(Society ,Community and Education)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کو زمین پر اتار کر ایک خاندان سے انسانوں کے انتہائی مختصر معاشرے کی بنیاد رکھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑے خاندان اور قبیلے وجود میں آتے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایک بہت اچھی خاصیت یہ عطا فرمائی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے مل جل کر زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ انسانوں کا یہ میل جول ہی دراصل معاشرے کی بنیاد بنتا ہے۔ جب کچھ لوگ مل جل کر رہتے ہوں تو ایک خاص قسم کا معاشرہ وجود میں آجاتا ہے جس کی اپنی روایات اور تہذیب ہوتی ہے ابتدا میں یہ تہذیبی روایات باپ سے بیٹے کو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں اس طرح ایک معاشرہ اگلے معاشرے کو اپنی ثقافت اور علم منتقل کرتا رہا۔ آج کے دور میں تعلیم اور ثقافت کے انتقال کی ذمہ داری تمام معاشروں نے مدرسہ کے سپرد کردی ہے۔ اب ہم یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کمیونٹی اور معاشرہ دراصل ہے کیا اور ان کا تعلیم سے کیا تعلق ہے؟

معاشرہ (Society)

معاشرہ، معاشرت سے بنا ہے، جس کے معنی ہی مل جل کر زندگی گزارنے کے ہیں۔ سادہ ترین الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کچھ لوگ ایک ساتھ رہتے ہوئے خاص قسم کا طرز بودوباش اختیار کرلیتے ہیں تو ایک معاشرہ وجود میں آجاتا ہے۔ اس طرح معاشرے کی تعریف یہ ہوسکتی ہے کہ معاشرہ انسانوں کا ایسا گروہ ہے، جس کے افراد ایک خاص طرز معاشرت عملاً اپنا لیتے ہیں وہ مشترکہ مقاصد اور اقدار کے ذریعے خود کو متحد رکھتے ہیں۔

ایک اور تعریف کی رو سے معاشرے سے مراد انسانوں کا مخصوص اور بڑا گروہ ہے۔ جس کے افراد کی ثقافت، کائنات کے بارے میں نظریہ، نیکی اور بدی میں تمیز، خیالات، عادات اور اقدار مشترک ہوں اور جو ان کے حصول کے لیے آپس میں تعاون بھی کریں۔ اس گروہ کے افراد میں آپس میں یک جہتی اور اتحاد کا احساس بھی پایا جائے۔

ہر معاشرہ زندگی کے بارے میں اپنی روایات، اصولوں اور قوانین کا پابند ہوتا ہے۔ عموماً معاشرے کے قیام کی بنیاد کائنات اور انسان کی پیدائش کے بارے میں اس کا وہ نظریہ ہے۔ جس سے اعتقادات اور نظریہ حیات جنم لیتا ہے۔ معاشرتی وحدت کے لیے انسان کا رہن سہن اور جغرافیائی حدیں بھی خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ یعنی معاشرہ افراد کا ایک ایسا بڑا گروہ ہوتا ہے۔ جن کے زندگی کے بارے میں نظریات، مفادات، رہائشی علاقے، تہذیب، تمدن اور زندگی گزارنے کے طریقے ایک جیسے ہوں۔ ان میں اتحاد کا احساس بھی پایا جائے۔ جس کی بنیاد پر وہ اپنے آپ کو دوسروں سے الگ تصور کرتے ہوں۔ ایک مغربی مفکر نے معاشرے کی بہت سادہ تعریف کی ہے اس کے مطابق معاشرہ دو یا دو سے زیادہ ایسے افراد کا مستقل گروہ ہے جو مشترکہ بھلائی کے لیے اپنی قوتوں کو اکٹھا کرکے مشترکہ جدوجہد کریں۔

اس تعریف کی رو سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کو پیدا کرکے زمین پر بھیجا تو دنیا کا سب سے قدیم اور

چھوٹا معاشرہ وجود میں آ گیا جو اسلامی نظریۂ حیات کی بنیاد پر قائم ہوا۔ جوں جوں زمین پر انسانوں کی تعداد بڑھتی گئی بڑا معاشرہ بنتا گیا۔ یہاں تک کہ آج کے زمانے میں بہت بڑے بڑے منظم معاشرے اور قومیں تمام براعظموں پر آباد ہیں۔ اپنے نظریہ حیات، رہن سہن اور جغرافیائی حد بندیوں کی وجہ سے مختلف ملکوں میں مختلف معاشرے وجود میں آ چکے ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے ممالک کو نمائندہ معاشروں کی مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ روس اور چین سوشلسٹ معاشرے ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے زیادہ تر ملک سرمایہ دار جمہوری معاشرے کہلاتے ہیں۔ ذات پات پر یقین رکھنے اور بے شمار مظاہر قدرت کی پوجا کرنے والا ہندوستان ہندو معاشرے کی نمائندہ مثال ہے۔ اسی طرح اسلامی نظریہ حیات پر یقین رکھنے والے مسلمان ملکوں کا مسلم معاشرہ ہے جیسے ہمارا ملک پاکستان۔ یہ معاشرے نظریہ حیات، رہن سہن، اعتقادات جغرافیائی حد بندیوں اور ثقافت میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ان کے اختلاف کی وجوہ کو جاننا بہت ضروری ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ بعض معاشروں کے خیال میں یہ کائنات خود بخود وجود میں آ گئی ہے خود بخود چل رہی ہے اور جس طرح وجود میں آئی ہے اسی طرح خود بخود کسی دن ختم ہو جائے گی۔ ان معاشروں کا انسان کی پیدائش کے بارے میں بھی خیال یہ ہے کہ وہ خود بخود وجود میں آ گیا ہے اور کسی دن خود ہی ختم ہو جائے گا یعنی موت کے بعد کی زندگی پر ان کا ایمان نہیں ہے گویا وہ معاشرے نظریہ ارتقا پر یقین رکھتے ہیں۔ دوسرے معاشرے اس کے برعکس یہ یقین رکھتے ہیں کہ انسان کو پیدا کرنے والا اور کائنات کو چلانے والا "خدا" ہے۔ بعض معاشرے ایک خدا پر یقین رکھتے ہیں اور بعض زیادہ خداؤں اور دیوی دیوتاؤں پر ایمان رکھتے ہیں۔ مسلمان ایک خدا پر یقین رکھتے ہیں جو تمام کائنات اور انسانوں کا خالق ہے جو رحمان ہے، رحیم ہے اور انسانوں کے لیے زندگی کے تمام سامان پیدا کرنے والا ہے۔ مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ آئندہ زندگی میں تمام انسانوں کے اعمال کا احتساب کیا جائے گا۔ کائنات کی تخلیق کے بارے میں اپنے نظریات کے اختلاف کی بنیاد پر مختلف معاشروں کے افراد کے اعمال، کردار اور نظریہ حیات مختلف ہو جاتے ہیں۔ ان کا رہن سہن اور جغرافیائی حدیں بھی ان کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں۔ مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر معاشرہ اپنے نظریۂ حیات کی بنیاد پر اپنی الگ تہذیب اور ثقافت رکھتا ہے جو اس کو دوسرے معاشروں سے الگ کرتی ہے۔ آج ذرائع مواصلات اور رسل و رسائل کی ترقی کی وجہ سے دنیا جس قدر تیزی سے سمٹ رہی ہے۔ مختلف معاشروں اور ان کی تہذیبوں کا فرق اسی قدر زیادہ تیزی سے نمایاں ہو رہا ہے۔

کمیونٹی (Community)

اب ہم یہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کمیونٹی سے کیا مراد ہے اور اس کے معانی کیا ہیں کسی نے اس کا ترجمہ حلقہ اور کسی نے جمعیت اور اکٹھ وغیرہ کیا ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس اصطلاح کے صحیح مفہوم کی ادائیگی کے لیے اردو میں کوئی موزوں لفظ موجود نہیں۔ جس طرح دوسری زبانوں کے بے شمار الفاظ اردو کی زینت ہیں۔ اسی طرح اس لفظ کو اردو میں کمیونٹی کہنا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

کمیونٹی سے مراد لوگوں کا ایسا گروہ ہوتا ہے جو کہ ایک مقام پر رہائش پذیر ہو۔ ان لوگوں کے مفادات اور دلچسپیاں بھی ایک ہی دائرے میں واقع ہوں۔ کمیونٹی ایسے گروہ کو کہہ سکتے ہیں جس کے افراد میں یگانگت اور اتحاد کا احساس پایا جاتا ہو اور جو کسی خاص علاقے میں رہتے ہوں۔ جن کی زبان، لباس، نظریۂ حیات، اقدار، رسم و رواج اور کھانے پینے کے انداز ایک سے ہوں۔ کمیونٹی ایک خاص علاقے تک محدود ہو سکتی ہے۔ ان لوگوں کی دلچسپیاں اور سرگرمیاں ایک سی ہوتی ہیں اور اہم معاملات میں ان میں اشتراک پایا جاتا ہے۔

کنبے، قبیلے اور ہمارے دیہات، کمیونٹی کی مختلف صورتیں ہیں۔ بچے کا کمیونٹی کے بارے میں تصور اپنی گلی اور محلے سے شروع ہوتا ہے یوں کہا جا سکتا ہے کہ کمیونٹی معاشرتی زندگی کا ایک مخصوص علاقہ ہے۔ جس میں ایک حد تک معاشرتی وحدت اور اشتراک عمل پایا جاتا ہے۔

کمیونٹی سے معاشرے کے اندر لوگوں کا ایک ایسا گروہ مراد ہے جو ایک خاص علاقے میں رہائش پذیر ہو۔ جس کے افراد کا روزمرہ زندگی میں بھی ایک دوسرے پر انحصار ہو اور جو ایک دوسرے سے اکثر معاملات میں تعاون بھی کرتے ہوں۔

کمیونٹی معاشرے کی ایک ایسی اکائی ہوتی ہے جہاں افراد اپنی فلاح کے لیے مل جل کر کام کرتے ہیں مثلاً موسمی بیماریوں سے بچاؤ کا انتظام پانی کی فراہمی، گاؤں یا مقامی آبادی کے لیے مسجد وغیرہ کی تعمیر، مذہبی اور قومی تقریبات میں شرکت، مختلف مقاصد کے لیے چندے کا حصول اور خرچ ان کے مشترکہ مقاصد ہوتے ہیں۔ ایک کمیونٹی کے افراد عموماً مل جل کر رہتے ہیں۔ آپس میں تعاون اور اشتراک سے کام چلاتے ہیں۔ ان کے مذہبی مقامات، منڈیاں اور بازار بھی مشترک ہوتے ہیں۔ کمیونٹی اپنی ضروریات میں کافی حد تک خود کفیل ہوتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے وسیع معاشرے سے بالکل بے نیاز ہوتی ہے۔ کوئی سیلاب، آندھی یا کوئی مشکل وقت آ پڑے تو وہ سب مل کر اس کا مقابلہ کرتے ہیں خصوصاً شادی بیاہ کے موقعوں پر پوری کمیونٹی اکٹھی ہوتی ہے۔ ایسے موقعوں پر ان کا اتحاد مزید بڑھ جاتا ہے۔ شہروں کے لوگ اگرچہ ایک دوسرے کے زیادہ قریب قریب رہتے ہیں لیکن اپنے اپنے خول میں بند رہتے ہیں۔ گاؤں کے لوگ ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں، مل جل کر زندگی گزارتے ہیں۔ ان کے جذبات و احساسات بھی ایک جیسے ہوتے ہیں۔

معاشرہ اور تعلیم کا باہمی ربط

تعلیم کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ یہ ایک معاشرتی عمل ہے اور معاشرہ ہی اس کا اہتمام کرتا ہے تاکہ مستقبل کے معاشرے کی تربیت کی جا سکے۔ تعلیم کا کام یہ ہے کہ معاشرہ کی اقدار کا تحفظ کرے اور تہذیب و تمدن کی بقا کا اہتمام کرنے کے ساتھ ساتھ نئی نسل کو منتقل کرے، اور ناپسندیدہ ثقافتی اجزا کو ختم بھی کرے۔ آپ جانتے ہیں کہ معاشرہ تعلیم پر اثر انداز ہوتا ہے۔ معاشرے کی تہذیب و تمدن اور ثقافت بدل جانے سے تعلیم بھی بدل جاتی ہے۔ معاشرہ قومی مقاصدِ تعلیم مقرر کرتا ہے۔ نصاب ترتیب دیتا ہے اور تدریس کے مرحلے کے بعد توقع رکھتا ہے کہ اس کے مقرر کردہ مقاصد، تعلیم کے ذریعے حاصل ہو جائیں۔ نصابِ تعلیم میں معاشرے کے معاشرتی تقاضوں اور رجحانات کو وہی مقام حاصل ہے جو تعلیم میں بہترین طریقِ تدریس کو حاصل ہوتا ہے۔ اچھے اور مہذب معاشرے یہ چاہتے ہیں کہ بچوں میں ایسے احساسات اور جذبات پرورش پائیں جن سے ان میں انسانیت، اخوت، محبت ہمدردی، مساوات، عدل و انصاف، نظم و ضبط اور خود اعتمادی جیسے اوصاف حمیدہ پیدا ہو سکیں۔ ان میں معاشرتی فرائض انجام دینے کی ذمہ داری کا احساس پیدا ہو۔ ان میں مل جل کر رہنے، اتحاد و تعاون اور ترقی کی خواہش کے ساتھ ساتھ آئندہ کچھ کرنے کا جذبہ پیدا ہو، ان سب مقاصد کا حصول صرف تعلیم کے ذریعہ ممکن ہے۔

معاشرے کا نظریۂ حیات اور فلسفہ زندگی، تعلیم کے لیے رہنمائی کا کام دیتے ہیں۔ تعلیم اور معاشرے کے نظریۂ حیات کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تعلیم معاشرے کے نظریۂ حیات سے اثر قبول کرتی ہے اور معاشرے کے نظریات اور اعتقادات کو نئی نسلوں تک منتقل کرتی ہے۔ مقاصدِ تعلیم کے تعین، نصابِ تعلیم کی تشکیل حتیٰ کہ تدریسی طریقوں کے انتخاب تک میں معاشرے اور قوم کے نظریۂ حیات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ تعلیم ہمیشہ معاشرے کے نظریۂ حیات کے تابع ہوتی ہے۔ تعلیم کا معاشرے کے نظریۂ حیات سے وہی تعلق ہے جو عمل کا علم سے ہوتا ہے۔

مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے کہ معاشرے کے نظریۂ حیات کا عملی پہلو تعلیم ہے اور تعلیم کا نظریاتی پہلو معاشرے کا نظریۂ حیات ہے یعنی جیسا کسی معاشرے اور قوم کا نظریۂ حیات ہوتا ہے اسی کے مطابق اس کا نظامِ تعلیم تشکیل پاتا ہے۔ اب ہم اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں کہ معاشرہ اور تعلیم کس طرح ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

تعلیمی مقاصد کے تعین کے وقت معاشرے کے اعتقادات، نظریۂ حیات اور تصور کائنات کو بنیادی اہمیت دی جاتی ہے۔ ہر

معاشرہ اپنے مخصوص فلسفیانہ نظریات، عقائد اور رسم و رواج کی روشنی میں تعلیم کے مقاصد متعین کرتا ہے۔ یونانی فلسفی ارسطو انسان کو اعلیٰ درجے کا حیوان سمجھتا تھا اس کے نزدیک تعلیم کا مقصد اس حیوان کو اعلیٰ درجے کا شہری بنانا تھا، آج کا مادہ پرست معاشرہ انسان کو اعلیٰ حیوان قرار دیتا ہے جو دوسرے درجے کے حیوانوں سے سوچنے سمجھنے اور بولنے کی وجہ سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے ہاں تعلیم کا اعلیٰ ترین مقصد انسان کی جسمانی صلاحیتوں کو نشوونما کے مواقع فراہم کرنا اور اس کی جبلی خواہشات کی تسکین ہے۔ تعلیم ان کے ہاں انسان کی دنیاوی ضروریات پوری کرنے کی تربیت کا ذریعہ ہے۔ ان کے ہاں مقاصدِ تعلیم اور نظامِ تعلیم اسی کے مطابق ترتیب پاتا ہے۔ مقاصدِ تعلیم اور نظامِ تعلیم، مرتب کرتے وقت ہر معاشرہ اپنی ثقافت اور نظریات کو بنیاد بناتا ہے اور تعلیم کے ذریعہ اپنی ثقافت اور تہذیب و تمدن کو محفوظ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تعلیمی نظام میں مطلوبہ تبدیلیاں پیدا کر کے اپنی ثقافت اور تہذیب و تمدن کو اپنی ضرورتوں کے مطابق ڈھال لیتا ہے۔ تعلیم کے بدل جانے سے معاشرہ بدل جاتا ہے۔ یعنی معاشرتی تبدیلیاں تعلیم کو بدل دیتی ہیں اور تعلیمی تبدیلیاں معاشرے کی تبدیلی کا باعث بنتی ہیں۔ جیسا کسی معاشرے کا نظامِ تعلیم ہوگا ویسا ہی معاشرہ تشکیل پائے گا، ویسی ہی اس کی تہذیب و ثقافت ہوگی اور جیسی کسی معاشرے کی تہذیب و ثقافت ہوگی ویسا ہی معاشرہ تشکیل پائے گا۔ سابقہ سوویت یونین میں مقاصد تعلیم طے کرتے وقت اس بات پر زور دیا جاتا تھا کہ تعلیم سے فارغ ہونے والا فرد ایک اچھا اشتراکی شہری ہو۔ نصاب تعلیم بھی اسی کے مطابق مرتب کیا جاتا تھا جو اشتراکی فلسفے کو پھیلانے کا باعث بنے۔ یورپ اور امریکہ جیسے سرمایہ دار جمہوری ممالک کے مقاصد تعلیم میں اس بات کو بنیاد بنایا جاتا ہے کہ فرد معاشرے سے مطابقت پیدا کر سکے، خود کما سکے اور خرچ کر سکے۔ جو نصاب تعلیم مرتب کیا جاتا ہے اس میں سرمایہ دارانہ نظام کی حمایت اور مغربی جمہوریت کے فلسفہ کا پرچار ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں اسلامی معاشروں میں علم کے ذرائع، کائنات کی تخلیق اور خالق کائنات کے بارے میں نظریات مختلف ہیں۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کو زمین پر بھیجنے سے پہلے اشیا کے استعمال کا علم عطا فرمایا، دوسرا علم، علمِ ہدایت کی صورت میں عطا کیا جس کا نظام وحی کے ذریعے قائم کیا گیا۔ اس طرح پہلا انسان براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ہدایت لے کر دنیا میں آیا۔ معاشرے کی ضروریات کے مطابق علم اور تہذیبی روایات والدین سے اولاد کو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں۔ جہاں معاشرے کی تہذیب و ثقافت میں بگاڑ پیدا ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ اس معاشرہ کے تعلیمی بگاڑ کو سنوارنے اور لوگوں کی دُرست سمت میں رہنمائی کے لیے انبیاء بھیجتا رہا جو معاشرہ کو صحیح تعلیم سے آگاہ کرتے رہے۔ آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں جن پر آخری وحی بھیج کر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل کر دیا۔ اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق علم کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ علم قرآن پاک اور حدیث کی شکل میں ہمارے پاس محفوظ ہے یعنی مسلمان معاشرے کی تعلیم کے مقاصد کا سرچشمہ بھی قرآنی تعلیمات ہیں۔ اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق تعلیم ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے انسان کی ہمہ پہلو تربیت کی جاتی ہے اور اس کے کردار کو تعلیم اور تربیت کے ذریعہ ایک خاص سانچے میں ڈھالا جاتا ہے۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہونے کے منصب کے حوالے سے دنیا کی امامت کا فریضہ انجام دے سکے۔ اسلام میں تعلیم کے ذریعے افراد معاشرہ کو اس طرح تیار کیا جاتا ہے کہ ان کے ذہنوں میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کا تصور پوری طرح واضح اور پختہ ہو جائے۔ اسلامی معاشرے کی تمام کاوشوں اور نظامِ تعلیم و تربیت کا مرکزی مقصد صرف رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرے کی عملی مثال رسول اکرم ﷺ کی اپنی زندگی ہے۔ آپ ﷺ نے معاشرے کے ہر فرد کے لیے علم کا حصول فرض قرار دیا۔ معاشرے اور اس کی تعلیم و تربیت کو ایک دوسرے سے اس طرح مربوط کر دیا کہ علم کی روشنی ایک مسلمان سے دوسرے نومسلم اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتی رہی یہاں تک کہ عرب کا

بدو اور غیر متمدن معاشرہ چند ہی برسوں میں تعلیم کے زیرِ اثر نہ صرف مہذب بلکہ تعلیم اور تہذیب وتمدن میں دنیا کی امامت کا فریضہ ادا کرنے والا معاشرہ بن گیا۔

یعنی معاشرے کی تعلیم وتربیت بدل جانے سے معاشرہ بدل گیا اور اس معاشرے نے دنیا کی تہذیب اسلامی تعلیمات کے ذریعے بدل کر رکھ دی۔ آج دنیا کی تہذیب پر مسلمان معاشرے کی تہذیب کے اثرات سب سے زیادہ ہیں۔

اجتماعی نظم وضبط کے بغیر کوئی معاشرہ قائم نہیں رہ سکتا۔ تعلیم افراد معاشرہ میں سیاسی شعور کی نشوونما کرتی ہے۔ اپنے قومی اور ملکی مفادات سے ان کو آگاہ کرتی ہے۔ ان میں معاشرتی تحفظ کا جذبہ پیدا کرتی ہے اور معاشرہ کو بین الاقوامی رجحانات سے روشناس کراتی ہے۔ تعلیم یافتہ افراد پورے سیاسی شعور کے ساتھ سیاسی عمل میں شریک ہوتے ہیں اور سیاسی عمل آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہتا ہے۔ آج کی دنیا میں جمہوریت اور بنیادی انسانی حقوق کا بول بالا ہے۔ آمریت اور بادشاہتوں کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ جن معاشروں میں تعلیم عام ہو چکی ہے وہاں مکمل جمہوری نظام قائم ہو چکا ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ جمہوریت صحیح طور پر ایسے معاشرے میں کام دیتی ہے، جہاں تعلیم عام ہو۔ تعلیم شہریت کی تربیت کرتی ہے اور ہر شہری کو اپنے حقوق وفرائض سے آگاہ کرتی ہے۔ جس معاشرے میں ان پڑھ اور جاہل لوگوں کی کثرت ہو وہاں سیاسی آزادی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا بعض اوقات خوش حالی اور ملکی تحفظ بھی ممکن نہیں رہتا۔ تعلیم کی کمی سے سیاسی علاقائی اور کئی دوسری اقسام کے تعصبات بھی پروان چڑھتے ہیں۔ خود غرض سیاستدان، جاہل عوام کو آسانی سے گمراہ کر سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں تعلیم کا کام یہ ہو سکتا ہے کہ وہ طلبہ میں مسلمان اور پاکستانی ہونے کا جذبہ پیدا کرے۔ صوبائی اور لسانی تعصبات ختم کرے۔ اسلامی اخوت اور بھائی چارے کے جذبات کو پروان چڑھائے۔ معاشرے کے استحکام، ترقی اور خوشحالی کے لیے تعلیم بہت ضروری ہے۔

فرد اور معاشرے کی نشوونما میں تعلیم کا کردار:۔

آپ جانتے ہی ہیں کہ معاشرہ افراد سے مل کر بنتا ہے جیسے افراد ہوں ویسا ہی معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ آج کل دنیا کے ہر مہذب معاشرے کی یہ کوشش ہے کہ اس کے تمام افراد تعلیم یافتہ ہوں تا کہ پورا معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے۔ قوموں کی ترقی کا تعلق ان کی تعلیمی ترقی سے ہے اگر کسی ملک کے نظام تعلیم کو ٹھوس بنیادوں پر استوار کر دیا جائے تو یہ بات طے شدہ ہے کہ اس کے افراد اور معاشرہ، معاشرتی اور اقتصادی ترقی میں کسی دوسرے معاشرے سے پیچھے نہیں رہتے جو قومیں تعلیم میں نمایاں ترقی کرتی ہیں، معاشی اور معاشرتی ترقی میں بھی کوئی دوسری قوم ان کا مقابلہ نہیں کر پاتی۔ معاشی اور تمدنی ترقی، تعلیمی ترقی کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس سلسلہ میں چین، جاپان اور ملائشیا کے معاشرے نمائندہ حیثیت رکھتے ہیں۔ فرد اور معاشرے کی نشوونما میں تعلیم کیا کردار ادا کرتی ہے اس کو علیحدہ علیحدہ زیر بحث لایا جا رہا ہے۔

i- فرد کی نشوونما میں تعلیم کا کردار

فرد جس ماحول میں تعلیم حاصل کرتا ہے اور جس معاشرے میں پرورش پاتا ہے۔ وہ عموماً اسی معاشرے کے نظریہ حیات کو اپنا لیتا ہے۔ وہ رسمی اور غیر رسمی تعلیم کے ذریعہ اسی معاشرے کے عقائد، رسم ورواج، روایات، اقدار، اٹھنے بیٹھنے اور میل جول کے آداب سیکھ لیتا ہے۔ وہ ہر اس چیز کو پسند کرنے لگتا ہے جس کو معاشرہ پسند کرتا ہے اور ہر اس چیز کو ناپسند کرتا ہے جس کو معاشرہ برا سمجھتا ہے، یہاں تک کہ وہ وہی مذہب اختیار کرتا ہے۔ جس پر معاشرہ کاربند ہوتا ہے۔ سب سے پہلا مدرسہ والدین کا گھر ہوتا ہے اور سب سے پہلے اساتذہ والدین ہوتے ہیں اس لیے عموماً یہودی والدین کے ہاں پیدا ہونے والا بچہ، یہودی، ہندو گھرانے میں پیدا ہونے والا بچہ ہندو

اور مسلمان والدین کے ہاں پیدا ہونے والا بچہ مسلمان ہوتا ہے۔

انسان اپنی عادات اور کردار میں ان لوگوں کا اثر قبول کرتا ہے جن میں وہ رہتا ہے اور جن سے وہ ملتا ہے۔ وہ بہن بھائیوں، ماں باپ اور دوستوں کا اثر قبول کرتا ہے۔ اپنی عادات اور کردار میں وہ اساتذہ اور دوستوں سے بھی متاثر ہوتا ہے۔ سکول کا خوشگوار ماحول، اچھا نصاب اور بہترین تدریسی طریقے طالب علم کی نشوونما پر مثبت طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اساتذہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے شاگردوں سے شفقت سے پیش آئیں تا کہ سیرت اور کردار کی بہتر تعمیر ہو سکے۔

اس میں شک نہیں کہ تعلیم کے بغیر انسان جسمانی نشوونما پا سکتا ہے۔ زندہ بھی رہ سکتا ہے۔ لیکن اسے معاشرتی آداب اور انسانی اوصاف سکھانے کے لیے تعلیم بہت ضروری ہے۔ اور مدرسہ یہ فریضہ انجام دیتا رہا ہے۔

ہر معاشرے کے مقاصد تعلیم میں اس بات کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے کہ طالب علم کے کردار کی تعمیر اس انداز سے کی جائے کہ اس میں مطلوبہ عادات اور سیرت پیدا ہو جائے۔ روسی معاشرہ یہ چاہتا ہے کہ انکا فارغ التحصیل طالب علم ایک اچھا سوشلسٹ ثابت ہو۔ اسرائیل کا یہودی معاشرہ یہ چاہتا ہے کہ ان کا نظام تعلیم اس طرح ترتیب پائے کہ فارغ ہونے والا طالب علم اچھا یہودی ثابت ہو۔ مادہ پرست اور سیکولر جمہوری معاشروں میں فرد کی آزادی کے تصور کے تحت، تعلیم سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ تعلیم سے فارغ ہونے والا ہر فرد معاشرے سے مطابقت پیدا کر سکے، خود کما سکے اور خرچ کر سکے اور سیکولر جمہوریت کا پرستار ہو۔ اس کے مقابلے میں اسلامی نظام تعلیم کا مقصد فرد کو اللہ تعالیٰ کا ایک نیک اور صالح بندہ بنانا ہے جو تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد، اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بن کر اللہ کی رضا کے مطابق، زندگی گزارنے والا ہو۔ یعنی تعلیم مسلمان طالب علم کی سیرت اس طرح تعمیر کرے کہ وہ سائنسدان، انجینئر، ڈاکٹر، قانون دان، تاجر اور پروفیسر جو کچھ بھی بنے اس کا کردار مسلمان کا کردار ہو۔

دنیا کے تمام معاشرے اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ تعلیم اچھے شہری پیدا کرے، یہاں شہریت سے مراد ہر ملک کی اپنی شہریت ہے۔ ہر ملک کی "شہریت" نظریۂ حیات کے اختلاف کی وجہ سے دوسرے ممالک اور معاشروں سے مختلف ہوتی ہے۔ ہر ملک اپنے طالب علموں سے توقع رکھتا ہے کہ وہ اچھے شہری بن کر نکلیں۔ ہندوستان کے ہندو معاشرے میں طالب علم سے بجا طور پر یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ تعلیم سے فارغ ہونے والا فرد ہندوستان کے لیے اچھا شہری اور اچھا ہندو ثابت ہو۔ ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہمارے طالب علم ہمارے اچھے شہری، اچھے پاکستانی اور اچھے مسلمان بن کر تعلیم سے فارغ ہوں۔

تعلیم کا ایک انتہائی اہم مقصد یہ ہے کہ وہ طالب علم کو اس قابل بنائے کہ وہ کوئی پیشہ یا ہنر سیکھ کر باعزت روزی کما سکے تا کہ اس کی ضروریات پوری ہو سکیں اور وہ اپنے خاندان کے افراد کی کفالت کر سکے۔ زمانہ قدیم سے آج تک ہر ملک کے نظام تعلیم میں افراد کو روزی کمانے کے قابل بنانا اور انھیں مختلف پیشوں کی تربیت دے کر ہنر مند بنانا تعلیم کے بنیادی اور عمومی مقاصد میں شامل ہے۔

تعلیم معاشرے سے مطابقت کا نام ہے۔ تعلیم کا ایک نہایت اہم مقصد یہ ہے کہ وہ افراد کو معاشرے سے مطابقت کے طریقے سکھاتی ہے۔ تعلیم فرد کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ معاشرتی اقدار، روایات اور لوازمات زندگی کا فہم حاصل کرے۔ اپنی انفرادی ذمہ داریوں کو نبھائے اور معاشرے کے لیے تعمیری کردار ادا کر سکے۔ طالب علم کو آج کی پیچیدہ معاشرتی زندگی کو سمجھنے اور اپنی معاشرتی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے قابل بنانا تعلیم کا ایک انتہائی اہم مقصد ہے۔

آج کے دور میں ہر معاشرہ یہ چاہتا ہے کہ نئی نسل کے بچے تعلیم حاصل کریں تا کہ اس کی تہذیب کو فروغ حاصل ہو۔ جوں جوں انسانی تجربات اور علم بڑھتا جا رہا ہے۔ فروغ تعلیم کی ضرورت شدید ہوتی جا رہی ہے۔ ہر معاشرہ اپنی ترقی اور مفادات کو آگے بڑھانا

چاہتا ہے جس کے لیے وہ تعلیم کے فروغ میں مزید کوشاں رہتا ہے تاکہ اس کے زیادہ سے زیادہ افراد نئے علوم اور تجربات سے آگاہ ہوں اور معاشرتی ترقی کے فوائد سے بہرہ ور ہو سکیں۔ آج بہت سے ملکوں کے معاشروں نے سو فی صد خواندگی حاصل کر لی ہے، اور وہ مادی ترقی کی معراج کو چھو رہے ہیں۔ جو معاشرے خواندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں، وہ بھی اس کوشش میں ہیں کہ خواندگی بڑھے۔ آج دنیا کے تمام معاشروں نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ علم اور خواندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کا مطلب معاشی ترقی اور مفادات کے حصول میں آگے بڑھنا ہے اس لیے ہر معاشرہ اپنے افراد کی خواندگی اور فروغِ علم کے لیے کوشاں ہے۔

ii- معاشرے کی نشوونما میں تعلیم کا کردار

تعلیم اور معاشرہ لازم و ملزوم ہیں ایک کے بغیر دوسرے کا تصور بھی ممکن نہیں یہ ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بچہ معاشرے میں جنم لیتا ہے۔ معاشرہ اس کی تعلیم و تربیت اور معاشرتی نشوونما کا اہتمام کرتا ہے۔ معاشرہ ہی اسے رسم و رواج، آداب و اخلاق، اپنے نظریہ حیات اور پوری معاشرتی زندگی سے متعارف کراتا ہے اور تعلیم ہی کے ذریعے قومی مقاصد تعلیم کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں معاشرہ کے نظریہ حیات اور ثقافت کی منتقلی کا کام مدرسہ کرتا ہے۔

ہر معاشرہ اپنے نظریہ حیات کے مطابق نئی نسل کی تربیت کی ذمہ داری مدرسہ کو سونپنے کے بعد بجا طور پر توقع رکھتا ہے کہ اس کی معاشرتی اور معاشی ضرورتوں، نظریہ حیات اور قومی نصب العین کے مطابق، مدرسہ نئی نسل کی تربیت کرے، طلبہ کو معلومات، فراہم کرنا، معاشرتی اقدار، تہذیب و ثقافت، عادات اور عملی زندگی کی بنیادی مہارتیں مدرسہ منتقل کرتا ہے اور انہیں کامیاب معاشرتی زندگی گزارنے کے قابل بناتا ہے۔ مدرسہ سے فارغ ہونے کے بعد طلبہ تربیت یافتہ افراد کی حیثیت سے معاشرے میں قدم رکھتے ہیں۔ مدرسہ کی تعلیم ان کی رہنمائی کرتی ہے۔ وہ صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور معاشرے کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

مدرسے سے تشکیل پانے والا معاشرہ ایک منضبط معاشرہ ہوتا ہے۔ جس میں مستقبل کے معاشرے کو معلومات تفہیمات، معاشرتی اقدار اور رویے سکھائے جاتے ہیں اور انھیں کامیاب زندگی گزارنے کے لیے مختلف مہارتوں اور فنون کی ترتیب دی جاتی ہے تاکہ وہ آئندہ زندگی میں معاشرے کی تعمیر کے لیے باعزت پیشہ اختیار کر سکیں۔

معاشرہ افراد کا ایک گروہ ہے۔ ہر معاشرہ اپنے ثقافتی ورثے کو اپنی آئندہ نسل کو منتقل کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ تعلیم کو ایک آلۂ کار کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ تعلیم ایک ایسی معاشرتی سرگرمی ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے طبعی، معاشرتی اور روحانی ماحول سے مطابقت سیکھ لیتا ہے۔ تعلیم کے ذریعہ نئی نسل کو صحت مند اور پسندیدہ معاشرتی زندگی گزارنے کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ ایسا عمل ہے جس کے ذریعے معاشرہ اپنے نظریات، فکر، سوچ، ثقافت اور تہذیب و تمدن کو آنے والی نسلوں کو منتقل کرنے اور اسے محفوظ کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔ تعلیم ایسا نظام ہے جس سے طلبہ معاشرے کے خاص طرز معاشرت کو عملاً قبول کر لیتے ہیں۔

بعض مفکرین کے نزدیک تعلیم کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ وہ ثقافت اور تہذیب و تمدن کو تحفظ دینے کے لیے اسے اگلی نسل کو منتقل کردے بلکہ تعلیم کی بہت بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ افراد کی اس طرح تربیت کرے کہ معاشرہ اور اس کی ثقافت کی مثبت اور تعمیری تشکیل بھی ممکن ہو جائے۔

معاشرہ تعلیم سے یہ توقع رکھتا ہے کہ تعلیم یافتہ شخص میں یہ اہلیت پیدا ہو جائے کہ وہ معاشرے سے مطابقت اختیار کرنے کے

ساتھ ساتھ ایک ذمہ دار شہری کے طور پر زندگی گزار سکے۔ تعلیم کے ذریعے فرد کی پوشیدہ صلاحیتوں کا پتہ چلایا جاتا ہے اور اس کی شخصیت کی نشوونما کی جاتی ہے۔ طالب علم کو اپنے اور دوسروں کے حقوق کا علم ہو جاتا ہے اور وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ صحیح اندازِ فکر اختیار کر سکے۔ قوموں کے عروج و زوال اور ان کے بناؤ اور بگاڑ میں ان معاشروں کے افراد کی سوچ کے انداز انتہائی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس لیے تعلیم کا یہ فرض سمجھا جاتا ہے کہ وہ طالب علم کو ایک ذمہ دار شہری کا کردار ادا کرنے کے قابل بنائے۔

کمپیوٹر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی بدولت آج کے دور میں تعلیم کی ذمہ داریاں اور زیادہ ہو گئی ہیں۔ نت نئی ایجادات نے سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت اور بڑھا دی ہے۔ سائنسدانوں، انجینئروں اور دوسرے ماہرین کے بغیر کوئی معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا۔ سائنسدان، ڈاکٹر، انجینئر، وکیل، جج، پروفیسر اور سیاستدان تعلیم ہی کی بدولت ماہرین میں شمار ہوتے ہیں، یہی ماہرین معاشرے کی ہر قسم کی ترقی کے لیے قائدانہ کردار ادا کرتے ہیں۔ جن معاشروں میں موجدوں اور دوسرے ماہرین کی تعداد بہت زیادہ ہے وہ معاشرے ترقی کی دوڑ میں دوسرے معاشروں سے بہت آگے نکل گئے ہیں۔ پاکستان کو بھی ہر شعبے میں ترقی کے لیے ایسے بے شمار ماہرین کی ضرورت ہے۔ ہمارے معاشرے کی یہ ضرورت صرف تعلیم پوری کر سکتی ہے۔

اہم نکات

1- معاشرہ انسانوں کا ایسا گروہ ہے جس کے افراد ایک خاص طرزِ معاشرت عملاً اپنا لیتے ہیں۔ وہ مشترکہ مقاصد اور اقدار کے ذریعے خود کو متحد رکھتے ہیں۔

2- کمیونٹی معاشرے کا ہی حصہ ہوتی ہے۔ کمیونٹی سے مراد لوگوں کا ایسا گروہ ہے جو ایک مقام پر رہائش پذیر ہوں۔ ان کے مفادات اور دلچسپیاں بھی ایک ہی دائرے میں واقع ہوں۔

3- آج کے دور کے مختلف اور منظم معاشرے جیسے روس اور چین سوشلسٹ معاشرے۔ یورپ اور امریکہ کے زیادہ تر ملک، سرمایہ دار جمہوری معاشرے۔ ذات پات پر یقین رکھنے والا ہندو معاشرہ اور اسلامی نظریہ حیات پر یقین رکھنے والا مسلمان ملکوں کا مسلم معاشرہ ہے۔

4- تعلیم معاشرے کے نظریہ حیات اور اعتقادات کو نئی نسلوں تک منتقل کرتی ہے۔

5- تعلیم فرد کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ معاشرے سے مطابقت اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ ایک ذمہ دار شہری کا کردار ادا کر سکے۔

آزمائشی مشق

معروضی حصہ

1- مندرجہ ذیل بیانات میں سے کچھ بیانات صحیح ہیں اور کچھ غلط، اگر بیان صحیح ہو تو ''ص'' کے گرد اور اگر بیان غلط ہو تو ''غ'' کے گرد دائرہ لگائیں۔

i- تعلیم ہمیشہ معاشرے کے نظریہ حیات کے تابع ہوتی ہے۔ ص / غ

ii- معاشرہ کمیونٹی کی ایک اکائی ہوتی ہے۔ ص / غ

iii- یونانی فلسفی ارسطو انسان کو اعلیٰ درجے کا حیوان سمجھتا تھا۔ ص / غ

iv- نئی نئی ایجادات سے سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت کم ہوگئی ہے۔ ص/غ

v- تعلیم معاشرے کے نظریہ حیات کا عملی پہلو ہے۔ ص/غ

vi- تعلیم معاشرے پر اور معاشرہ تعلیم پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ص/غ

vii- تعلیم صرف فرد کے لیے اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ص/غ

viii- تعلیم کا فرض یہ ہے کہ معاشرے کی ثقافت کو آگے منتقل کرے۔ ص/غ

ix- اسلامی نقطہ نظر سے تمام علوم کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ص/غ

x- معاشرے کی تعلیم و تربیت بدل جانے سے معاشرہ بدل جاتا ہے۔ ص/غ

2- مندرجہ ذیل میں خالی جگہوں کو پُر کریں۔

i- اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایک بہت اچھی خاصیت یہ عطا فرمائی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے .... کر رہنا چاہتے ہیں۔

ii- اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور .... کو پیدا کر کے زمین پر بھیجا تو دنیا کا سب سے قدیم اور چھوٹا معاشرہ وجود میں آ گیا۔

iii- کمیونٹی سے مراد لوگوں کا ایسا گروہ ہوتا ہے جو ایک مقام پر رہائش .... ہو۔

iv- بعض .... یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ کائنات خود بخود وجود میں آ گئی ہے۔

v- تعلیم کا کام یہ ہے کہ معاشرے کے ثقافتی ورثہ کی .... بھی کرے۔

vi- ناپسندیدہ ثقافتی اجزا کو ختم کرنا بھی .... کی ذمہ داری ہے۔

vii- معاشرے کے نظریہ حیات کا عملی پہلو .... ہے۔

viii- یونانی فلسفی ارسطو انسان کو اعلیٰ درجے کا .... سمجھتا تھا۔

ix- تعلیم معاشرے پر اور معاشرہ .... پر اثر انداز ہوتا ہے۔

x- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے .... کے حصول کو ہر مسلمان کے لیے فرض قرار دیا۔

3- مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات میں سب سے موزوں ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

i- تعلیم ہمیشہ تابع ہوتی ہے۔

ا- وزارتِ تعلیم کے
ب- سکول انتظامیہ کے
ج- معاشرے کے نظریہ حیات کے
د- کمیونٹی کے

ii- یورپ اور امریکہ کے ملکوں کے معاشرے کیسے معاشرے ہیں؟

ا- سوشلسٹ معاشرے
ب- سرمایہ دار اور جمہوری معاشرے
ج- ہندو معاشرے
د- مسلمان معاشرے

iii- کمیونٹی اور معاشرہ کیا ہیں؟

ا- ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔
ب- کمیونٹی معاشرے کی ایک اکائی ہوتی ہے۔
ج- کمیونٹی معاشرہ سے علیحدہ ہوتی ہے۔
د- کمیونٹی معاشرے سے بڑی ہوتی ہے۔

iv- اسلام میں تعلیم کا بنیادی مقصد ہے

ا۔ روزی کا حصول
ب۔ جمہوری معاشرے کا قیام
ج۔ ثقافت کی تشکیل نو
د۔ رضائے الٰہی کا حصول

v- کمپیوٹر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی نے۔

ا۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت بڑھا دی ہے۔
ب۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت کم کردی ہے۔
ج۔ انجینئرز کی ضرورت کم کردی ہے۔
د۔ ماہرین کی ضرورت کم کردی ہے۔

vi- یورپ اور امریکہ کے نظام تعلیم میں کس چیز کا پرچار ہوتا ہے۔

ا۔ اسلامی فلسفہ تعلیم کا۔
ب۔ ہندومت کا۔
ج۔ مغربی جمہوریت کے فلسفہ کا۔
د۔ اشتراکیت کا۔

4- کالم (ا) اور کالم (ب) کا تقابلی موازنہ کریں اور صحیح جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (ا)	کالم (ب)	کالم (ج)
i- معاشرے کے نظریہ حیات کا عملی پہلو	1- اکائی ہوتی ہے۔	
ii- تعلیم کا نظریاتی پہلو معاشرے کا	ii- اچھا اشتراکی بنانا ہے۔	
iii- کمیونٹی معاشرے کی ایک	iii- تعلیم ہے۔	
iv- معاشرے کے استحکام اور ترقی کے لیے	iv- تعلیم بہت ضروری ہے۔	
v- ثقافت کی منتقلی اور تشکیل نو	v- تعلیم کا ایک بنیادی فریضہ ہے۔	
vi- سوویت یونین میں تعلیم کا مقصد طلبہ کو	vi- نظریہ حیات ہے۔	

5- درج ذیل کے مختصر جوابات دیں۔

i- معاشرے اور تعلیم کا تعلق واضح کریں۔
ii- فرد اور تعلیم کا تعلق بیان کریں۔
iii- معاشرے کی تعریف کریں۔
iv- کمیونٹی کی تعریف کریں۔
v- اسلامی معاشرے کی تین خصوصیات لکھیں۔
vi- مادہ پرست اور جمہوری معاشروں کا کائنات اور انسان کی تخلیق کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟
vii- مہذب معاشرے طلبہ میں کون سے اوصاف حمیدہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔
viii- ملکی ترقی میں 'ماہرین' کو کیا اہمیت حاصل ہے؟
ix- تعلیم کے پانچ فوائد لکھیں۔
x- تعلیم کا جمہوریت سے کیا تعلق ہے؟

انشائیہ حصہ

6۔ معاشرے اور کمیونٹی کا فرق مثالوں سے واضح کریں۔

7۔ تعلیم کے لیے معاشرے کی اہمیت واضح کریں۔

8۔ تعلیم فرد کی ترقی میں کیا کردار ادا کرتی ہے؟

9۔ تعلیم معاشرے کی ترقی میں کیا کردار ادا کرتی ہے؟

10۔ تعلیم، کمیونٹی اور معاشرے کا تعلق واضح کریں۔

ساتواں باب

رہنمائی اور مشاورت

(Guidance and Counselling)

ہم اور ہمارے گرد و پیش شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو اپنی زندگی میں پیش آنے والی تمام مشکلات مسائل از خود اور دوسروں کی مدد کے بغیر حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اپنی روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے مختلف مسائل اور مشکلات پر تو افراد عموماً اپنی ذاتی کوششوں سے قابو پالیتے ہیں یا اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے صلاح مشورہ کر کے حل کر لیتے ہیں لیکن بعض دفعہ ایسے مسائل اور مشکلات پیش آجاتی ہیں کہ قریبی دوست یا عزیز رشتہ دار بھی مدد یا مشورہ نہیں دے سکتے۔ بعض لوگوں میں مسائل کے حل کے لیے درکار اعتماد اور بصیرت کی کمی بھی مسائل کے حل نہ ہونے کا باعث بن جاتی ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ صرف مشکلات اور مسائل کے حل کے لیے ہی رہنمائی اور مشورہ کی ضرورت ہو۔ بعض دفعہ مستقبل کے لیے ضروری اور اہم فیصلوں میں بھی اپنے سے زیادہ تجربہ کار اور مخصوص شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے ماہرین سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔

انسان کی زندگی کے کئی پہلو ہیں، ایک فرد ان تمام پہلوؤں اور ان سے متعلق پیش آنے والے تمام مسائل و مشکلات کو یقیناً اکیلا حل نہیں کر سکتا۔ کہیں اس کو معاشی مسائل کا سامنا ہے تو کہیں سماجی مشکلات اس کی راہ میں حائل ہیں۔ کبھی تعلیمی اور نفسیاتی مسائل ہیں تو کبھی ذاتی اور پیشہ ورانہ مشکلات درپیش ہیں۔ غرض ہر فرد کے مسائل کی نوعیت مختلف ہے لیکن ایک مشترک بات یہ ہے کہ وہ سارے مسائل از خود حل نہیں کر سکتا۔ کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی مسئلے کے لیے اس کو دوسروں کی مدد، مشاورت اور رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے۔

ابتدا ہی سے بچے کو کسی نہ کسی طرح کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ زندگی کے ابتدائی مراحل میں اس کی ضروریات کی تسکین کا دارومدار والدین پر ہوتا ہے لیکن جوں جوں وہ بڑا ہوتا ہے اس کی ضروریات اور مسائل بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ گھر کے ساتھ ساتھ اس کا تعلق معاشرے سے بھی ہو جاتا ہے اور اس طرح مسائل و معاملات کی نوعیت بھی بدل جاتی ہے۔ اسی لیے رہنمائی اور مشاورت کی نوعیت میں تبدیلی کے علاوہ ان کی ضرورت بھی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

روایتی طور پر غیر رسمی انداز میں رہنمائی کا فریضہ خاندان کے بڑے افراد یا معاشرہ ادا کرتا ہے لیکن بعض دفعہ مسائل کا صحیح ادراک نہ ہونے کے باعث یہ غیر رسمی مشورے نہ صرف یہ کہ مسائل کے حل میں معاون نہیں ہوتے بلکہ نقصان اور مزید پیچیدگی کا باعث بن جاتے ہیں۔ تیز رفتار معاشرتی تبدیلیوں، سائنسی ترقی، ذرائع ابلاغ اور کمپیوٹر ٹیکنالوجی نے انسانی زندگی کو بے حد مصروف اور پیچیدہ بنا دیا ہے۔ اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے اور خصوصاً نوجوان نسل کے بہتر اور روشن مستقبل کے لیے رہنمائی اور مشاورت کے خصوصی شعبوں اور خدمات کی اشد ضرورت ہے۔ رہنمائی اور مشاورت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہو جاتا ہے کہ یہ ہر دور میں انسان کی ضرورت رہی ہے۔ یہاں تک کہ خود خالق کائنات نے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے انبیا مبعوث فرمائے۔

رہنمائی کا مفہوم

رہنمائی کے لغوی معنی 'راستے کی نشان دہی' کے ہیں۔ بعض لوگ اس کو مدد کے معنوں میں بھی استعمال کرتے ہیں لیکن درحقیقت مدد کے لفظ سے رہنمائی کا مکمل اور درست مفہوم ظاہر نہیں ہوتا۔ اگر کوئی راستہ بھولا ہوا شخص ہم سے رہنمائی چاہتا ہے تو ہم اس کو اس کی منزل تک پہنچا کر نہیں آتے بلکہ صحیح راستہ بتا دیتے ہیں۔ رہنمائی میں بس اتنا ہی شامل ہے کہ کسی راستہ بھولے ہوئے یا مشکل میں گرفتار شخص کو اس کے راستے کی نشاندہی اور مشکل سے چھٹکارہ پانے کا طریقہ اس طرح سے بتا دیا جائے کہ وہ خود اپنی منزل تک پہنچ جائے اور خود اپنی مشکل پر قابو پا سکے۔

رہنمائی میں انسان کی مشکلات اور مسائل کا حل تلاش نہیں کیا جاتا بلکہ اس کی مدد کچھ اس طرح سے کی جاتی ہے کہ وہ صرف اس خاص مشکل ہی کا نہیں بلکہ ہر مشکل اور مسئلے کا حل خود تلاش کرنے کے قابل ہو جائے۔ دراصل رہنمائی میں توجہ کا اصل مرکز خود انسان ہے نہ کہ اس کا کوئی خاص مسئلہ یا مشکل۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ

- رہنمائی ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے کسی شخص کو اس کی اپنی ذات کے متعلق ہر ممکن واقفیت اور آگہی بہم پہنچائی جاتی ہے تاکہ وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو اپنی زندگی کے مسائل اور مشکلات کو حل کرنے کے لیے استعمال کر سکے۔
- رہنمائی کسی شخص کو درپیش مسائل اور مشکلات پر قابو پانے کے لیے حل بتانے کا نام نہیں بلکہ اسے اس قابل بنانے کا عمل ہے کہ وہ اپنی مشکلات اور مسائل کو خود حل کر سکے۔
- رہنمائی کا عمل دراصل ایک منظم تعلیمی عمل ہے جو افراد کو ان کی نشوونما میں مدد دیتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی کے تجربات کو مزید وسعت دے سکیں۔

اوپر بیان کی گئی تعریفوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رہنمائی کا تصور بہت وسیع ہے۔ یہ محض تعلیمی یا پیشہ ورانہ رہنمائی ہی نہیں بلکہ اس میں ہر قسم کی رہنمائی شامل ہے اور پھر یہ کہ رہنمائی صرف ان لوگوں تک محدود نہیں جو کسی خامی کی بنا پر ماحول سے مطابقت اختیار نہیں کر پاتے بلکہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو کسی بھی موقع پر اس کی ضرورت محسوس کرے۔

رہنمائی کی قسمیں

رہنمائی ایک ایسا تصور ہے جس کی نوعیت اور دائرہ عمل کو محدود کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو میں، عمر کے ہر حصے میں، ہر چھوٹے بڑے، تجربہ کار اور ناتجربہ کار شخص کو رہنمائی کی ضرورت رہی ہوگی، رہتی ہے اور رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ رہنمائی کئی نوعیت کی ہوتی ہے۔ ہر نوعیت کا انحصار مسائل کی نوعیت اور رہنمائی کے مقاصد پر ہوتا ہے۔ اگر مسائل کی نوعیت اقتصادی ہے تو رہنمائی کی نوعیت اقتصادی ہوگی، اگر مذہبی ہے تو رہنمائی مذہبی رنگ کی ہوگی۔ اس طرح رہنمائی کی بے شمار اقسام ہو سکتی ہیں لیکن ذیل میں طلبہ اور سکول کے حوالے سے چار نمایاں اقسام مختصر طور پر بیان کی گئی ہیں۔

1- تعلیمی رہنمائی

رہنمائی کی اس نوعیت سے مراد وہ رہنمائی ہے جو ایک طالب علم کو اس کی تعلیم کے سلسلے میں درکار ہوتی ہے۔ اس رہنمائی میں طالب علموں کے سکول میں مطابقت کے مسائل، سکول کے اساتذہ اور طلبہ کے باہمی تعلقات کے مسائل، تدریس و تعلم کے مسائل، غیر تدریسی اور اہم نصابی سرگرمیوں کے مسائل، طلبہ کی صحت کے مسائل، مضامین کے چناؤ، تعلم کے مسائل، امتحان کی تیاری،

کتب کی دستیابی اور تمام ایسے مسائل شامل ہیں جو کسی بھی طرح سے بچے کی تعلیمی زندگی سے متعلق ہوتے ہیں۔

2- پیشہ ورانہ رہنمائی

اس نوعیت کی رہنمائی سے مراد وہ تمام رہنمائی ہے جو کسی بھی شخص کو کوئی پیشہ اپنانے اور اس میں کامیاب ہونے کے لیے درکار ہوتی ہے مثلاً وہ کون سا پیشہ اپنائے اور کیوں اپنائے، ایک کو دوسرے پر ترجیح دے تو کن کن وجوہات کی بنا پر ایسا کرے۔ کسی بھی پیشے کو اپنانے کے لیے درکار تعلیمی، فنی یا پیشہ ورانہ مہارت، جسمانی صحت اور رجحانات کی اہمیت اور دفتر میں کام کرنے والے ماتحت اور اعلیٰ افسران سے تعلقات کی نوعیت، کامیابی کے لیے درکار اصول و ضوابط کے بارے میں معلومات، کسی مخصوص صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے طریقے، غرض وہ تمام معلومات اور سرگرمیاں جو کسی نہ کسی طرح سے پیشے کو اپنانے، اس میں کامیاب ہونے اور ترقی کرنے سے متعلق ہوں، پیشہ ورانہ رہنمائی کا حصہ ہوتی ہیں۔

3- نفسیاتی رہنمائی

وہ تمام مسائل جن کا تعلق انسانی ذہن اور شعور سے ہو، ان کے حل سے متعلق کی جانے والی تمام سرگرمیاں، نفسیاتی رہنمائی کے دائرہ کار میں آتی ہیں۔ اس نوعیت کی رہنمائی میں افراد کو پیش آنے والے صنفی مسائل، احساس کمتری یا برتری اور جذباتی اُلجھنیں، عدم مطابقت کے مسائل، محبت، حسد، نفرت اور دشمنی کے مسائل وغیرہ شامل ہیں جو ضروری نفسیاتی رہنمائی نہ ملنے کے باعث نفسیاتی امراض کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جن کے لیے باقاعدہ علاج کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے بعض ماہرین اس نہج پر فراہم کی جانے والی رہنمائی کو معالجاتی رہنمائی کا نام بھی دیتے ہیں۔

4- معاشرتی رہنمائی

ہر انسان کامیاب اور خوشگوار زندگی گزارنے کی خواہش رکھتا ہے اور اس کے لیے کوشش کرتا ہے۔ اس مقصد کے لیے حاصل کی گئی رہنمائی، سماجی یا معاشرتی رہنمائی کہلاتی ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نوعیت کی رہنمائی دراصل معاشرتی رہنمائی ہی ہے کیونکہ رہنمائی کی ہر قسم کا بنیادی مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ انسان اس قابل ہو جائے کہ معاشرے سے درست مطابقت اختیار کر لے اور ایک ذمہ دار اور اچھا شہری بن کر ملک و قوم کی خدمت کرے اور خود بھی خوش اور کامیاب زندگی بسر کرے۔ معاشرتی رہنمائی کے ذریعے سے فرد اپنی پوشیدہ صلاحیتوں، انفرادی اختلافات اور فطری رویوں سے آگاہ ہوتا ہے۔ سماجی اور معاشرتی رہنمائی کی بدولت ہی انسان میں اچھے اخلاق، عادات و اطوار، اقدار اور رویے تشکیل پاتے ہیں اور اس کی شخصیت کی نشوونما ہوتی ہے۔ اس کی سیرت اور کردار کی تشکیل ہوتی ہے۔ مذہب و ملت کی روایات کا احترام پیدا ہوتا ہے۔ اپنے اور دوسروں کے حقوق و فرائض کا علم ہوتا ہے۔ ان سب باتوں کے مجموعے سے ہی سماجی رہنمائی کا تصور بنتا ہے۔

مشاورت کا مفہوم

عام طور پر مشاورت سے مراد کسی خاص معاملے میں مشورہ لینا، رائے حاصل کرنا، کچھ پوچھنا یا صلاح کرنا لیا جاتا ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ ہر بچہ اپنے گھر سے مخصوص عادات اور طور طریقے لے کر سکول آتا ہے جو اس کے گھریلو ماحول نے پیدا کیے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات یہ عادات اور طور طریقے اس کو سکول اور ساتھی طالب علموں کے ساتھ ہم آہنگی اور مطابقت پیدا کرنے میں رکاوٹ کا باعث بن جاتے ہیں اور بچہ مختلف مسائل کا شکار ہو جاتا ہے۔ اساتذہ ایسے بچوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ بعض بچے اساتذہ، والدین یا

تجربہ کار اور ماہر افراد سے مشورہ لیتے ہیں تا کہ اپنے مسائل پر قابو پا سکیں۔

ثانوی اور اعلیٰ ثانوی مدارس میں اکثر اوقات طلبہ مختلف مضامین کے چناؤ اور پیشوں کے انتخاب میں ماہرین سے مشورہ کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ بعض اپنے مخصوص رجحانات کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں اور بعض مجلسی زندگی کے تقاضوں کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں اور مدد کے خواہاں ہوتے ہیں۔ چونکہ ہر استاد، صلاح کار یا مشورہ دینے والا اپنی تربیت، تجربہ اور مہارت کی بنا پر اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ بچوں کے ہر قسم کے الجھے ہوئے اور پیچیدہ مسائل میں ان کو مشورہ دے سکے، اس لیے ایسی صورت میں پیشہ ورانہ طور پر تربیت یافتہ مشیر ہی بچوں کے مسائل کے حل میں ان کی مدد کر سکتا ہے۔

اس بحث کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مشاورت دراصل کسی خاص مسئلے یا مشکل کے بارے میں کسی ماہر اور تجربہ کار شخص سے رائے لینا، پوچھنا یا صلاح مشورہ کرنا ہے تا کہ مشکل کا شکار شخص اپنے مسئلے کو مشورے کی روشنی میں خود حل کرنے کے قابل ہو جائے۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مشاورت کے عمل کا مرکزی نقطہ مشکل کے شکار فرد یعنی مشار کی خود اپنی ذاتی کوشش ہے۔ جس میں وہ اپنی مشکل کا احساس کرتے ہوئے اپنی مرضی سے کسی پیشہ ورانہ اور تربیت یافتہ ماہر یعنی مشیر کے پاس جا کر اس سے اپنی مشکل بیان کرتے ہوئے مشورے کا طالب ہوتا ہے۔ اس پورے عمل میں اس کے اپنے احساس اور ردِ عمل کو بنیادی اہمیت اور حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ یوں مشاورت ایک سہ نکاتی عمل ہے۔

1- جس میں کم از کم دو افراد کی شرکت ضروری ہے، مشورہ لینے والا (مشار) اور مشورہ دینے والا (مشیر)۔

2- جو کوئی تربیت یافتہ شخص ہی انجام دے سکتا ہے۔

3- جس کا مقصد افراد کو پیش آمدہ مسائل کو خود آزادانہ طور پر حل کرنے میں مدد دینا ہے۔

کارل راجرز (Carl Rogers) کے مطابق "مشاورت دو افراد کے درمیان براہِ راست اور مسلسل گفتگو کا ایک ایسا سلسلہ ہے جس کا مقصد مشکل کے شکار فرد کی اس طرح مدد کرنا ہے جس سے وہ اپنی رائے، طرزِ فکر، رویے اور کردار میں بہتر تبدیلی پیدا کر سکے۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مشاورت دراصل دو افراد (مشیر + مشار) کے درمیان ایک براہِ راست تعلق ہے جس میں ایک فرد (مشار) جب اپنے مسائل کو ذاتی طور پر سلجھانے میں ناکام رہتا ہے تو وہ کسی ایسے فرد (مشیر) کی طرف رجوع کرتا ہے جو اپنے علم، تجربہ، مہارت اور تربیت کے لحاظ سے صلاحیت میں اس سے بہتر ہوتا ہے۔ مشکل یا الجھن کے شکار فرد کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں اس طرح مدد دیتا ہے کہ وہ اپنے پیش آمدہ مسائل و مشکلات کا تجزیہ کرنے کے بعد ان کا موزوں اور مناسب حل تلاش کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

مدرسہ میں رہنمائی و مشاورت کی ضرورت و اہمیت

رہنمائی کی اہمیت کا اندازہ صرف اس بات سے ہو جاتا ہے کہ اس کی ضرورت ہر زمانے میں ہر شخص کو رہی ہے۔ خود خالق کائنات نے اپنی مخلوق کی رہنمائی کے لیے انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ ہم سب عموماً اپنے بڑوں اور زیادہ تجربہ کار لوگوں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ بچپن میں والدین اور گھر کے دوسرے افراد ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ بچے کو جب بھی کوئی مسئلہ ہوتا ہے تو وہ اپنے والدین اور بہن بھائیوں سے رہنمائی اور مدد چاہتا ہے۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کی ضروریات کی نوعیت بدلتی جاتی ہے۔ گھر کے ساتھ ساتھ معاشرے سے تعلق بنتا ہے۔ باہر کے لوگوں اور مسائل سے واسطہ پڑتا ہے۔ چونکہ بچے بالغ افراد جیسی سوجھ بوجھ نہیں رکھتے، اس لیے نہ

تو وہ پوری طرح سے اپنے مسائل اور مشکلات کو سمجھ پاتے ہیں اور نہ ہی ان کو حل کرنے کے لیے پوری طرح اپنی صلاحیتوں سے کام لے سکتے ہیں۔اس لیے ان کو بڑوں کی نسبت رہنمائی کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔

بچہ جب پہلے پہل سکول جاتا ہے تو گھر اور سکول کے ماحول میں فرق کو بہت شدت سے محسوس کرتا ہے جو ضروریات گھر میں آسانی سے ہر وقت پوری ہو جاتی تھیں، سکول میں ان کے لیے خاطر خواہ انتظام نہیں ہوتا۔گھر کے مانوس افراد کی نسبت یہاں اس کا واسطہ اساتذہ اور ساتھی طلبہ کی شکل میں اجنبی لوگوں سے پڑتا ہے۔یہاں بچے کو اپنی صلاحیتوں اور دلچسپیوں کا شعور اور اندازہ نہیں ہوتا۔ مستقبل کی زندگی، اس کے مسائل اور تلخ و شیریں حقائق سے اس کو آگاہی نہیں ہوتی۔ان حالات میں اگر سکول میں اس کو اساتذہ کی طرف سے رہنمائی میسر آجائے تو اس کی بہت سی مشکلات اور مسائل حل ہو جاتے ہیں۔بصورت دیگر تعلیمی کامیابی کے امکان کم اور محدود ہو جاتے ہیں۔

تعلیم اور رہنمائی کے مقاصد میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔دونوں کا مقصد طالب علم کے لیے گھر، سکول اور معاشرے سے بہتر مطابقت کو فروغ دینا ہے۔آج کے تیز رفتار، پیچیدہ، سائنسی دور میں میڈیا کی یلغار اور معلومات کی بھرمار نے ہم سب کے لیے اور خصوصاً سکول کے بچوں کے لیے رہنمائی کی اہمیت اور ضرورت کو اور زیادہ بڑھا دیا ہے۔اساتذہ کے لیے بچوں کی رہنمائی کی ذمہ داری ادا کرنا اس لیے بھی ضروری ہو گیا ہے کہ والدین عموماً بچوں کے تعلیمی مسائل کے بارے میں رہنمائی کی ضروریات پوری نہیں کر سکتے۔سکولوں میں خصوصاً ثانوی اور اعلیٰ ثانوی سطح پر متعدد نئے اور پیشہ ورانہ نوعیت کے مضامین نصاب میں شامل کر لئے گئے ہیں اور ان کے الگ الگ اور مخصوص گروپ بنا دیئے گئے ہیں۔طلبہ کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے لیے اپنے رجحانات، صلاحیتوں اور دلچسپیوں کے مطابق مضامین کا انتخاب کر سکیں۔والدین اپنے تجربے اور پسند کے مطابق ان کو رہنمائی دیتے ہیں اور جو پیشہ ان کو زیادہ بار آور نظر آتا ہے، بچوں کو اس کے مطابق مضامین منتخب کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

تعلیم میں مشاورت اور رہنمائی اس لیے بھی ضروری ہے کہ بچوں کو ان کی صلاحیتوں اور رجحانات کے مطابق تعلیم حاصل کرنے کے مواقع ملیں اور وہ تعلیمی اور عملی میدان میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں۔بروقت اور مناسب رہنمائی تعلیم کے عمل کو موثر بناتی ہے اور بچے کی پوشیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہے۔بچوں میں پائے جانے والے ذہنی، معاشرتی اور جذباتی اختلافات سکولوں میں رہنمائی کی ضرورت کو اور زیادہ بڑھا دیتے ہیں۔بچوں کے یہ اختلافات ان کے نصابی اکتساب اور سکول کی ہم نصابی سرگرمیوں میں ان کی کارکردگی پر براہِ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔اگر انہیں سکول میں اساتذہ اور والدین کی طرف سے ضروری رہنمائی اور مشاورت میسر نہ ہو تو وہ سکول، گھر اور معاشرے سے مطابقت میں مشکل محسوس کرتے ہیں۔بعض بچے اگر پڑھائی میں کم اچھے ہوتے ہیں تو ممکن ہے وہ اچھے کھلاڑی یا مقرر ہوں۔دراصل ضرورت اس امر کی ہے کہ سکول، بچوں کی اس طرح سے رہنمائی کرے کہ ان کی تمام خداداد صلاحیتیں ترقی پا سکیں اور وہ ان کا زیادہ اور موئژ استعمال کر سکیں۔

سکول بچوں کے جذباتی، معاشرتی اور نفسیاتی رویوں کی تشکیل کرتا ہے اور بچوں کی شخصیت اور کردار سازی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ایک بہتر اور کامیاب، ترقی یافتہ معاشرے کی تعمیر کے لیے ہر سطح پر خصوصاً سکولوں میں رہنمائی اور مشاورت کی موثر سہولتوں کی فراہمی بہت ضروری ہے۔سکول ہی آئندہ نسلوں کو ثقافتی ورثہ اور تہذیبی اقدار منتقل کرتا ہے اور بہتر رہنمائی اور مشاورت ہی اس کے تحفظ کی ضامن ہے۔سکولوں میں رہنمائی اور مشاورت کی سہولتوں کی فراہمی ضروری ہے۔تاکہ

i- بچوں کی ہمہ پہلو، مکمل اور بھرپور نشوونما ہو سکے۔

ii- طلبہ تعلیمی زندگی میں بہتر اور مناسب وقت پر موزوں منصوبہ بندی اور تعلیمی چناؤ کر سکیں۔

iii- طلبہ عملی زندگی کی تیاری اور مناسب اور موزوں پیشے اور ملازمت کا چناؤ کر سکیں۔

iv- طلبہ، گھر، سکول اور معاشرے میں بہتر مطابقت اختیار کر سکیں۔

v- گھر میں دستیاب رہنمائی کو زیادہ مؤثر بنایا جا سکے۔

vi- طلبہ عملی اور پیشہ ورانہ زندگی کے مختلف پہلوؤں ضروریات اور مسائل سے آگاہ ہو سکیں۔

vii- کم مراعات یافتہ یا مسائل کے شکار طلبہ بہتر مطابقت اختیار کر سکیں۔

viii- طلبہ تعلیم کی طرف راغب ہو سکیں اور کارآمد شہری کا کردار ادا کر سکیں۔

ix- طلبہ سکول کے باہر وقت کو مثبت اور تعمیری انداز میں استعمال کر سکیں۔

x- طلبہ میں نظم و ضبط کی خصوصیات پیدا ہو سکیں اور وہ تعمیری انداز میں ملک اور قوم کی خدمت کر سکیں۔

مشاورت کے طریق کار

طریق کار کے لحاظ سے مشاورت کی دو قسمیں، انفرادی مشاورت اور گروہی مشاورت ہیں۔

i- انفرادی مشاورت

انفرادی مشاورت میں معلم طلبہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لیتا رہتا ہے اور ان کی تعلیمی، جسمانی، سماجی اور نفسیاتی الجھنوں کا مطالعہ کرتا ہے اور ہر طالب علم کے ساتھ انفرادی طور پر مشاورت کرتا ہے۔ یہ مشاورت رسمی اور غیر رسمی طور پر با مقصد اور منضبط انداز میں کی جاتی ہے۔ اس مشاورت کا بڑا مقصد طلبہ میں خود شناسی پیدا کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ اپنے ماحول سے مثبت مطابقت پیدا کر سکیں اور بہتر طور پر اپنی زندگی گزار سکیں۔

اس طریق کار میں ایک وقت میں صرف ایک طالب علم کی مشاورت ہو سکتی ہے اور اس کے لیے مشیر ایک خاص طریقہ کار اختیار کرتا ہے۔ اس طریقہ کار کا انحصار مسئلے کی نوعیت پر ہوتا ہے مثلاً معمولی نوعیت کا مسئلہ غیر رسمی انداز میں بات چیت کے ذریعے ہی حل کیا جا سکتا ہے جب کہ پیچیدہ مسئلے کے لیے رسمی انداز میں ملاقاتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے اور مشار اور اس کے مسئلے کے بارے میں مختلف آزمائشوں، انٹرویوز، سوالناموں اور مشاہدے کے ذریعے سے معلومات حاصل کی جاتی ہیں اور باقاعدہ تجزیے کے بعد مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لیے مشاورت کی جاتی ہے۔

ii- گروہی مشاورت

اس مشاورت کا مقصد طلبہ کی اجتماعی طور پر مدد کرنا ہے تاکہ وہ اپنی دلچسپی، ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں، ترغیبات و تجربات، ضروریات اور مسائل وغیرہ کو جان کر اپنی تعلیمی، معاشرتی اور سماجی زندگی کو کامیابی سے خوشگوار انداز میں گزار سکیں۔ ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ گروہی مشاورت کسی ادارے کے مکمل پروگرام کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ گروہ فرد کے ذہنی رجحانات میں تبدیلی لانے کا باعث ہوتے ہیں۔ گروہی مشاورت سے فرد میں گروہی طرز فکر، رویے، رجحانات اور مسائل کے حل کی تلاش کے لیے خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ یہاں مشاورت انفرادی طور پر نہیں بلکہ گروہی طور پر کی جاتی ہے تاکہ گروہ میں شامل بچے نئے ماحول سے آگاہ ہو جائیں۔ ایسے تمام تعلیمی، نفسیاتی، جسمانی، معاشرتی اور جذباتی مسائل جن کا عموماً ہر طالب علم کو سامنا ہوتا ہے، گروہی مشاورت کی ضرورت پیدا

کرتے ہیں۔اسی لیے طلبہ کو الگ الگ مشاورت دینے کی بجائے چھوٹے چھوٹے گروہوں میں مشاورت کی جاتی ہے مثلاً بچوں کو ذہنی اور جسمانی صحت کے اصولوں سے متعارف کروانا، ان کے رویوں میں مثبت تبدیلی لانے کے اقدامات یا طلبہ میں قائدانہ صلاحیتوں کی نشوونما کرنا۔اس طرح گروہ اور معاشرے کے میل ملاپ سے طلبہ کے کردار اور رویوں میں اچھی اور مؤثر تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور ان کی قائدانہ صلاحیتوں کی تربیت ہوتی ہے۔

گروہی مشاورت ایک ارتقائی عمل ہے۔اس عمل میں فرد کی صلاحیتوں کی اس طرح تربیت کی جاتی ہے کہ اس میں آئندہ پیش آنے والے مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے کی صلاحیت پروان چڑھ سکے۔گروہی مشاورت تمام طلبہ کے لیے ضروری ہے کیونکہ یہ زیادہ تر ایسے مسائل کے بارے میں ہوتی ہے جو عموماً تمام طلبہ کو اپنی تعلیمی زندگی میں کبھی نہ کبھی ضرور پیش آتے ہیں۔

گروہی مشاورت میں گروہ کی ساخت اور سائز کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ابتدائی کلاسوں کے طلبہ کے دو سے چار تک بڑے گروہ بھی بنائے جاسکتے ہیں کیونکہ ان کے مسائل تقریباً ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن ثانوی کلاسوں کے طلبہ کے گروہ، مسائل کی نوعیت کے اعتبار سے نسبتاً چھوٹے ہوسکتے ہیں مثلاً تجربی رجحان رکھنے والے بچوں کے لیے پانچ یا چھ طلبہ کا گروہ مناسب ہوسکتا ہے جب کہ خاموش طبع اور تنہائی پسند بچوں کے لیے بڑا گروہ مفید رہتا ہے کیونکہ اس طرح ان کو میل جول کے زیادہ مواقع میسر آتے ہیں۔گروہ تشکیل کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ گروہ نہ تو زیادہ چھوٹا ہو اور نہ ہی بہت بڑا کیونکہ بڑے گروہ میں مشیر تمام بچوں کو مناسب توجہ نہیں دے سکے گا جب کہ بہت چھوٹے گروہ میں مشاورت تقریباً انفرادی نوعیت کی رہ جاتی ہے۔مشیر بچوں سے مل کر ان کے اجتماعی مسائل اور مشکلات کا علم حاصل کرتا ہے پھر نوعیت اور شدت کے اعتبار سے مسائل کی علیحدہ علیحدہ نشاندہی کی جاتی ہے اور مسائل کی نوعیت کے اعتبار سے بچوں کے گروہ تشکیل دیئے جاتے ہیں۔مسائل کی نوعیت اور بچوں کی شخصیت کے بارے میں تفصیلی معلومات اکٹھی کی جاتی ہیں جن کے تجزیے کے بعد مشاورت کے عمل کے ذریعے بچوں کو مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی تربیت دی جاتی ہے۔

انفرادی اور گروہی مشاورت کے طریق کار کی مماثلت

مشاورت خواہ انفرادی نوعیت کی ہو یا اجتماعی طرز کی، ہر دو صورتوں میں اس کا طریق کار عموماً یکساں نوعیت کا ہوتا ہے۔دونوں صورتوں میں مشیر درج ذیل اقدامات کے ذریعے مشاورت کے عمل کو آگے بڑھاتا ہے:۔

i- مشاورت کے لیے جامع منصوبے کی تیاری۔
ii- بچوں/ بچے کے ساتھ باہمی اعتماد اور دوستی کا رشتہ استوار کرنا تاکہ وہ بلا جھجک اپنا مسئلہ بیان کر سکیں/ سکے۔
iii- بچوں/ بچے سے بات چیت کر کے مسئلے کی نشاندہی کرنا۔
iv- مسئلے کی نوعیت کے اعتبار سے مشاورت کے مقاصد کا تعین کرنا۔
v- مسئلے کی نوعیت اور بچوں/ بچے کی شخصیت کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرنے کے لیے مؤثر آلات کا چناؤ کرنا۔
vi- مسئلے کی نوعیت اور بچوں/ بچے کی شخصیت کے بارے میں معلومات اور مواد اکٹھا کرنا۔
vii- حاصل شدہ معلومات اور مواد کا تجزیہ کرنا۔
viii- مسئلے کی تشخیص کرنا۔
ix- مسئلے کے حل اور بچوں/ بچے کی تربیت کے لیے تدابیر کی فہرست تیار کرنا۔

x- بچوں/ بچے کو اس قابل بنانا کہ وہ اپنی صلاحیتوں اور ان کے استعمال سے آگاہ ہو جائے اور وہ درپیش مسئلے/ مسائل کو خود حل کر سکیں۔

مشاورت کی اقسام

یوں تو مشاورت کی بہت سی اقسام ہیں مگر مدارس کی موجودہ صورت حال کے پیش نظر صرف تین کا ذکر کیا جاتا ہے۔

i- ہدایاتی مشاورت (Directive Counselling)

ہدایاتی مشاورت کا بانی ولیم سن (Williamson) ہے۔ اس کے نزدیک مشاورت ہدایاتی نقطہ نظر سے دی جائے، چونکہ مشار اپنے تمام مسائل حل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس لیے کونسلر یا مشیر کی ذمہ داری ہے کہ وہ مشار کو اس کے مسائل حل کرنے میں مدد دے۔ اس طریقہ میں مشار مشیر کو اپنا مسئلہ بیان کرتا ہے۔ مسئلے کے تمام پہلوؤں پر معلومات حاصل کر لینے کے بعد مشیر اپنے مشار کو مسئلے کا حل بتا کر اس پر عمل کے لیے کہتا ہے۔ ہدایاتی مشاورت میں مشیر کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ مشار کا کام مشیر کے مشورے پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ اس قسم کی مشاورت عموماً کند ذہن، شدید بیماری کا شکار کم سن اور نابالغ بچوں کو دی جاتی ہے۔ اس صورت حال میں چونکہ مشار اپنے مسائل کو خود حل کرنے کی استعداد نہیں رکھتا بلکہ کونسلر یا مشیر کے دیئے گئے حل پر عمل کرتا ہے، اس لیے اس کو ہدایاتی مشاورت کا نام دیا جاتا ہے۔

ii- غیر ہدایاتی مشاورت (Non Directive Counselling)

غیر ہدایاتی مشاورت کے آغاز اور فروغ میں پروفیسر کارل راجرز اور ان کے پیروکاروں کی کوششوں کو دخل ہے۔ غیر ہدایاتی مشاورت کے طریق کار میں مشیر یا کونسلر اپنے مشار کو موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ اس سے اپنا مسئلہ بیان کرے۔ اس سلسلے میں وہ مشار کے لیے اعتماد، خلوص اور رضا و رغبت کا ماحول پیدا کرتا ہے۔ مشار کو آزادی ہوتی ہے کہ اپنی مرضی سے اپنے جذبات کا جس طرح اور جس قدر چاہے اظہار کرے۔ اس کے جذبات و خیالات خواہ کتنے ہی فضول، بے ربط اور مہمل کیوں نہ ہوں، مشیر کے لیے مشار اور اس کے جذبات کا احترام بے حد ضروری ہے کیونکہ اس احترام اور خلوص کے بغیر مشاورت کا عمل نامکمل رہتا ہے۔

مشیر (کونسلر) کو یہ تسلیم کرنا ہوتا ہے کہ مشار میں ماحول سے مطابقت اختیار کرنے اور آزادانہ زندگی بسر کرنے کی زبردست خواہش موجود ہے۔ اس لیے مشیر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی اس خواہش کا احترام کرے، اس سے کام لے اور اپنا فیصلہ اس پر تھوپنے کی کوشش نہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر ہدایاتی مشاورت میں مشیر اپنے کسی عمل یا ردِعمل کے اظہار سے اجتناب کرتا ہے۔ وہ نہ تو مشار کی باتوں اور بیان میں مداخلت کرتا ہے، نہ ہی اس کو کوئی نصیحت یا تجویز پیش کرتا ہے بلکہ مشار کے ساتھ گرم جوشی، فہم و ادراک اور اعتماد و خلوص کا ماحول پیدا کرتا ہے۔ اس طرح مشار اپنے مسائل کھل کر مشیر سے بیان کرتا ہے اور ماحول کی بہتری سے اپنے مسائل کو از خود حل کرتا ہے۔

iii- اختیاری مشاورت (Elective Counselling)

اختیاری یا برمحل مشاورت ہدایاتی اور غیر ہدایاتی مشاورت کو نہ تو پورے طور پر قبول کرتی ہے اور نہ ہی ان سے انکار کرتی ہے۔ اس مشاورت کے پیروکار اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ افراد کے درمیان اختلاف، ان کے مسائل اور ان کو مشکل صورت حال میں ڈالنے والے معاملات ان کے لیے مشاورت کی ضرورت پیدا کرتے ہیں۔ افراد اور معاشرے میں پیچیدگی سے لاتعداد مسائل پیدا ہوتے ہیں، بہت سے لوگوں کے یکساں نوعیت کے مسائل کو حل کرنے کے لیے کوئی ایک مخصوص طریقہ کارآمد نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہے

کہ مشاورت کا کوئی ایک طریقہ تمام مسائل اور تمام افراد کے لیے مناسب نہیں۔ اختیاری مشاورت کے مطابق ہدایاتی اور غیر ہدایاتی مشاورت کی درمیانی راہ اختیار کرنی چاہیے جو نہ تو مکمل طور پر ایک ہو نہ دوسری بلکہ ضرورت، حالات، مسائل اور موقع محل کے مطابق اپنی حکمتِ عملی اور مشار کے مزاج کے مطابق طے کی جاتی ہے۔

اہم نکات

1- رہنمائی ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے کسی شخص کو اس کی اپنی ذات کے متعلق ہر ممکن واقفیت اور آگہی بہم پہنچائی جاتی ہے۔

2- رہنمائی کی بے شمار اقسام ہیں لیکن صرف چار نمایاں اقسام یہ ہیں۔
تعلیمی رہنمائی، پیشہ ورانہ رہنمائی، نفسیاتی رہنمائی، معاشرتی رہنمائی

3- مشاورت دراصل کسی خاص مسئلے، مشکل کے بارے میں کسی ماہر اور تجربہ کار شخص سے رائے لینا، پوچھنا یا صلاح لینا ہے

4- مشاورت کی طریق کار کے لحاظ سے دو اقسام ہیں، انفرادی مشاورت، گروہی مشاورت

5- مشاورت کی بہت سی اقسام ہیں ان میں سے تین یہ ہیں۔
i- ہدایاتی مشاورت ii- غیر ہدایاتی مشاورت iii- اختیاری مشاورت

آزمائشی مشق

معروضی حصہ

1- موزوں الفاظ کی مدد سے جملے مکمل کریں۔

i- زندگی کے ابتدائی سالوں میں بچہ عموماً .... سے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔

ii- اللہ تعالیٰ نے انبیا کرام کو لوگوں کی .... کے لیے مبعوث فرمایا۔

iii- رہنمائی کی بدولت طلبہ گھر، سکول اور معاشرے میں بہتر .... اختیار کرتے ہیں۔

iv- رہنمائی ہر دور میں ہر .... کی ضرورت رہی ہے۔

v- رہنمائی میں توجہ کا اصل مرکز .... ہے۔

vi- رہنمائی میں ہر شخص کو اس کی اپنی .... کے متعلق واقفیت دلائی جاتی ہے۔

vii- رہنمائی اور مشاورت کا عمل دراصل منظم اور .... عمل ہے۔

viii- رہنمائی اور مشاورت کسی شخص کو درپیش مسائل کا حل بتانے کا نام نہیں بلکہ مسائل کو .... کرنے کے قابل بنانا ہے۔

ix- تعلیم اور رہنمائی کے مقاصد میں .... پائی جاتی ہے۔

x- بچوں کو بڑوں کی نسبت رہنمائی کی .... ضرورت پڑتی ہے۔

2- مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات میں سب سے موزوں ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

i- افراد کے مسائل میں ایک مشترک بات یہ ہے کہ وہ اپنے سارے مسائل

ا۔ خود حل کرتے ہیں۔ ب۔ خود حل نہیں کرسکتے۔

ج۔ کے بارے میں دوسروں سے مشورہ کرتے ہیں۔ د۔ کے لیے رہنمائی چاہتے ہیں۔

ii- ہر نوعیت کی رہنمائی دراصل ہوتی ہے۔

ا۔ امدادی رہنمائی ب۔ معاشرتی رہنمائی ج۔ تعلیمی رہنمائی د۔ نفسیاتی رہنمائی

iii- غیر رسمی انداز میں رہنمائی کا فریضہ کون ادا کرتے ہیں؟

ا۔ والدین ب۔ اساتذہ ج۔ مشیر د۔ ماہرین

iv- رہنمائی اور مشاورت میں فرد

ا۔ کی تمام مشکلات کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔

ب۔ کی بعض اہم مشکلات کا حل بتایا جاتا ہے۔

ج۔ کو ہر مشکل کا حل تلاش کرنے کے قابل بنایا جاتا ہے۔

د۔ کو دوسروں سے رہنمائی حاصل کرنے کے طریقے بتائے جاتے ہیں۔

v- انسانی ذہن و شعور کے متعلق مسائل کے حل کے لیے کی جانے والی سرگرمیاں رہنمائی کی قسم سے تعلق رکھتی ہیں؟

ا۔ معاشرتی رہنمائی

ب۔ شعوری رہنمائی

ج۔ نفسیاتی رہنمائی

د۔ تعلیمی رہنمائی

vi- ہم نصابی سرگرمیاں رہنمائی کی کون سی قسم کا حصہ ہیں؟

ا۔ گروہی رہنمائی

ب۔ انفرادی رہنمائی

ج۔ تعلیمی رہنمائی

د۔ نصابی رہنمائی

vii- کند ذہن بچوں کو کون سی مشاورت درکار ہوتی ہے؟

ا۔ ہدایاتی مشاورت

ب۔ معالجاتی مشاورت

ج۔ غیر ہدایاتی مشاورت

د۔ ذہنی مشاورت

viii- رہنمائی میں توجہ کا اصل مرکز

ا۔ فرد کے تمام مسائل ہوتے ہیں۔

ب۔ فرد کا کوئی خاص مسئلہ ہوتا ہے۔

ج۔ فرد کی اپنی ذات ہوتی ہے۔

د۔ فرد کے دوسروں سے تعلقات ہوتے ہیں۔

ix- رہنمائی اور مشاورت کا عمل دراصل ایک

ا۔ منظم تعلیمی عمل ہے۔

ب۔ مسلسل تعلیمی عمل ہے۔

ج۔ خاص مسائل کے حل کا عمل ہے۔

د۔ منظم اور مسلسل تعلیمی عمل ہے۔

3- فہرست (ا) کے مطابق فہرست (ب) میں سے مناسب جواب تلاش کر کے کالم (ا) کے سامنے فہرست (ج) میں لکھیں۔

فہرست (ا)	فہرست (ب)	فہرست (ج)
i- مشاورت دو افراد کے درمیان منظم گفتگو کا سلسلہ ہے۔	گروہی رہنمائی	
ii- مشیر	سماجی و معاشرتی رہنمائی	
iii- ہدایاتی مشاورت	ولیم سن	
iv- بچوں کی ذہنی اور جسمانی صحت کے لیے کھیل کا استعمال	کارل راجرز	
v- مشار کو جذبات کے اظہار کی آزادی	مشورہ طلب کرنے والا	
vi- کامیاب اور خوشگوار زندگی کے لیے کسی فرد کی رہنمائی کی جاتی ہے۔	مشورہ دینے والا	
	نفسیاتی رہنمائی	
vii- جذباتی الجھنیں	غیر ہدایاتی مشاورت	
viii- مشار	اختیاری مشاورت	

انشائیہ حصہ

4- رہنمائی سے کیا مراد ہے۔ سکول میں طلبہ کے لیے اس کی ضرورت و اہمیت بیان کریں۔

5- مشاورت ایک سہ پہلو عمل ہے، اس پر بحث کریں۔ تعلیمی میدان میں مشاورت کی اہمیت بیان کریں۔

6- رہنمائی کی مختلف اقسام بیان کریں نیز تعلیم سے ان کا تعلق واضح کریں۔

7- مشاورت کے مختلف طریقے تفصیل سے بیان کریں۔

آٹھواں باب

نصاب، سلیبس اور درسی کتب
(Curricula, Syllabus and Textbooks)

بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں کئی الفاظ ایسے ہیں جو ہم اکثر و بیشتر استعمال کرتے ہیں، مثلاً کبھی ہم کہتے ہیں کہ بچوں کے لیے کورس کی کتابیں خریدنی ہیں، کبھی ہم کہتے ہیں کہ پرانا سلیبس تبدیل ہو رہا ہے، پھر کبھی ہم کہتے ہیں کہ سکولوں کے لیے نیا نصاب بن رہا ہے۔ غرض یہ کہ نصاب، سلیبس اور کورس کی اصطلاحیں ہر روز ہماری زبان پر ہوتی ہیں اور ہم عام طور پر ان اصطلاحوں کے معنی و مطلب پر غور کیے بغیر کہیں نصاب کہیں سلیبس اور کہیں درسی کتاب کی اصطلاحات استعمال کر لیتے ہیں۔

ان اصطلاحات کا مطلب کیا ہے۔ یہ ہم معنی ہیں یا موقع محل کے مطابق ان کے معنی بدل جاتے ہیں۔ ذیل میں ان سب کے مفہوم کی وضاحت کی گئی ہے۔

سلیبس (Syllabus)

یہ کسی مضمون کے عنوانات کی ایسی فہرست ہوتی ہے جسے خارجی امتحان کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ اس میں ہر عنوان کے ساتھ نمبروں کی تقسیم بھی دی جاتی ہے۔ سلیبس کو عموماً نصاب کے مفہوم میں لیا جاتا ہے۔ سلیبس میں بعض موضوعات کا خاکہ اور چند چھوٹے بڑے عنوانات شامل ہوتے ہیں جو مضمون کے مواد کی نشاندہی کرتے ہیں کہ کیا کچھ اس میں شامل کرنا اور پڑھنا ہے۔ ظاہر ہے یہ فہرست عنوانات سے زیادہ نہیں ہوتی۔ آج کل بعض مضامین کے سلیبس میں ان کے مقاصد تدریس بھی لکھ دیے جاتے ہیں اور بعض دیگر باتوں کی کچھ وضاحت بھی کر دی جاتی ہے، مگر سلیبس یہیں تک ہی محدود ہوتا ہے۔

دراصل سلیبس میں مقاصد، مواد اور طریقہ ہائے تدریس کی جامع تفصیل فراہم نہیں کی جاتی بلکہ موضوعات اور دیگر تعلیمی سرگرمیوں کا ایک خاکہ مہیا کر دیا جاتا ہے۔ اس خاکے میں موضوعات کی تفصیل بھرنا تدریسی سرگرمیوں کا انتخاب، ان کے لیے اوقات کا تعین کرنا، درسی کتب لکھنے والوں اور متعلقہ مضامین کی تدریس کرنے والے اساتذہ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

کورس (Course)

یہ کسی ایک مضمون کی تفصیل ہوتی ہے۔ دراصل یہ سلیبس میں درج عنوانات کی تفصیل ہوتی ہے جس میں اس امر کا اظہار بھی کیا جاتا ہے کہ کسی ایک عنوان کو کتنے ذیلی تصورات کی شمولیت کے ساتھ پڑھایا جائے گا۔ بعض صورتوں میں اس مضمون یا شعبۂ تدریس کے مقاصد کے حصول کے لیے سرگرمیوں کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ اس حصہ نصاب میں ہر عنوان یا نفسِ مضمون کے وزن (Weightage) کا تعین کر دیا جاتا ہے اگر درسی کتاب کا تعین کر دیا گیا ہو تو اس کے ابواب اور اس میں موجود تصورات کا وزن بھی قائم کیا جاتا ہے۔

کورس کے لفظی معنی "راستہ" کے ہیں اور ظاہر ہے کہ راستے کا تصور منزل کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منزل ایک ہو مگر راستے مختلف۔

عید کے روز لوگ مختلف راستوں سے عید گاہ کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں لیکن مقصد مشترک ہوتا ہے کہ عید گاہ پہنچ کر نماز عید ادا کی

جائے۔ پھر کبھی شہر میں کرکٹ میچ ہوتا ہے اور تمام راستوں سے گزر کر لوگ سٹیڈیم پہنچ کر کھیل دیکھنے کا مشترکہ مقصد حاصل کرتے ہیں۔

بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں مشترک مقصد یہ ہوتا ہے کہ بچوں کی صلاحیتوں کو اجاگر کر کے ان کی شخصیت کی تعمیر مضبوط بنیادوں پر کی جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ہم کئی راستے اختیار کرتے ہیں۔ یعنی زبان کا راستہ، معاشرتی علوم کا راستہ، سائنس کا راستہ اور اسی طرح بہت سے راستے جو شعوری اور غیر شعوری طور پر اختیار کیے جاتے ہیں، ان میں سے ہر راستہ "کورس" کہلاتا ہے۔ ریاضی کا کورس، سائنس کا کورس، معاشرتی علوم کا کورس وغیرہ لیکن ان سب راستوں کی منزل اور مقصد ایک ہی ہے یعنی بچے کی شخصیت کا ارتقاء اور تعمیر کرنا۔

مذکورہ بالا بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کورس کسی ایک مضمون کی ایسی تفصیل ہوتی ہے جس میں اس امر کا اظہار کیا جاتا ہے کہ کسی ایک عنوان کو کتنے اسباق، وقت، لیکچرز اور ذیلی تصورات وغیرہ کی شمولیت کے ساتھ پڑھایا جائے گا، بعض صورتوں میں اس مضمون یا شعبۂ تدریس کے تدریسی مقاصد کے حصول کے لیے سرگرمیوں کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔

درسی کتب (Textbooks)

درسی کتب، استاد اور تعلیم کا باہمی تعلق زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ اگرچہ قدیم زمانے میں درسی اور امدادی کتب کی تعداد آج کے مقابلے میں کہیں کم تھی لیکن دیگر ذرائع علم موجود نہ ہونے کے باعث ان کی اہمیت آج کے دور سے کہیں زیادہ تھی۔ مختلف مضامین کی موجود کتب کا مطالعہ کرنا اور دیگر لوگوں اور مختلف ذرائع سے مل کر علم حاصل کرنا اور پھر اس علم کو اپنے شاگردوں تک منتقل کرنا استاد کی ذمہ داری تھی۔

کہا جاتا ہے کہ کتب نسلِ انسانی کی یادداشت ہیں جو حصول علم کا مؤثر ترین ذریعہ ہیں۔ کتابیں درس و تدریس کے عمل میں کلیدی حیثیت رکھتی ہیں اور عالم فاضل لوگ ان کی مدد سے حصول علم میں اضافہ کے ساتھ ساتھ نیا نفس مضمون بھی ترتیب دیتے ہیں۔ اس طرح نئی کتب اور نئے علوم تخلیق ہوتے ہیں۔ دوسری طرف اساتذہ اور طلبہ ان کتابوں کی مدد سے تعلیم و تعلم کے عمل میں نئی راہیں اور جہتیں نکالتے ہیں۔ دورِ جدید میں کتابوں کے علاوہ اور بہت سے تدریسی معاونات سامنے آ چکے ہیں۔ تعلیم میں کمپیوٹر کے استعمال اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے فروغ نے تعلیم حاصل کرنے کے لیے بہت سی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ لیکن ان سب کے باوجود کتابوں کی اہمیت اور استعمال میں ذرا بھی کمی نہیں آئی۔ بلکہ ان نئے طریقوں کو استعمال کرنے کے لیے بھی لوگوں کو کتابوں کا ہی سہارا لینا پڑ رہا ہے۔ کتابیں معاونات تعلیم میں اہم درجہ رکھتی ہیں۔ اگرچہ ہر ملک اور معاشرے میں ان کا استعمال مختلف انداز سے ہوتا رہا لیکن ان کی اہمیت اور افادیت سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے۔

درسی کتب بھی دراصل کتابوں کی ہی ایک اہم قسم ہے۔ تعلیم کے مختلف مدارج میں شامل مضامین کی تعلیم دینے کے لیے مختلف ملک اور معاشرے اپنے نظریات، سماجی، تاریخی اور نفسیاتی پس منظر میں ہر مضمون کے لیے علیحدہ علیحدہ نصاب کی تدوین کرتے ہیں۔

عموماً یہ نصابات ابتدائی تعلیم، ثانوی تعلیم اور اعلیٰ تعلیم کے مدارج میں پڑھائے جانے والے مضامین کے بارے میں ہوتے ہیں۔ ان نصابات کو سامنے رکھتے ہوئے ماہرین تعلیم ان مدارج میں تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کی ذہنی سطح کے مطابق مخصوص مضامین کے لیے درسی کتب لکھتے ہیں۔ جن میں پورے نصاب میں شامل موضوعات کی تفصیل اور ان پر جامع بحث کی جاتی ہے۔ یہ درسی کتب متعلقہ سطح کے لیے ضروری نفس مضمون اور موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں اور طلبہ کی کم از کم تعلیمی ضروریات پوری کرتی ہیں۔ مطالعہ میں مزید وسعت اور گہرائی کے لیے طلبہ موضوع سے متعلق دیگر امدادی اور حوالہ جاتی کتب کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

پاکستان میں درسی کتب کی تیاری کے لیے سرکاری سطح پر مختلف صوبوں میں ٹیکسٹ بک بورڈز قائم ہیں جن کا قیام 1962ء میں اعلیٰ سطحی کمیٹی کی سفارشات کے مطابق ٹیکسٹ بک بورڈ آرڈیننس کے ذریعے عمل میں آیا۔ ٹیکسٹ بک بورڈ کے علاوہ کئی دوسرے ادارے بھی مقامی سطح پر پہلی سے بارھویں جماعت تک کے لیے مختلف مضامین کی درسی کتب تیار کرتے ہیں۔ خصوصاً آٹھویں جماعت تک کے لیے درسی کتب کی مختلف سیریز مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔

اچھی درسی کتاب کی خصوصیات

ایک اچھی درسی کتاب

1- یہ نصاب کے بیان کردہ مقاصد سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔

2- یہ متعلقہ مضمون کی مخصوص سطح پر تدریس کے مقاصد پورے کرتی ہے۔

3- اس میں تمام موضوعات میں ترتیب، تسلسل، توازن اور ربط کی خصوصیات موجود ہوتی ہے۔

4- یہ متعلقہ سطح کے طلبہ کی ذہنی سطح اور تعلیمی ضروریات سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔

5- اس کے مواد کی صحت ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر، نئی معلومات اور روزمرہ زندگی کے تجربات کے قریب تر ہوتی ہے۔

6- اس میں شامل مواد جامع، معروضی، عام فہم اور سادہ زبان میں وضاحت سے پیش کیا جاتا ہے۔

7- یہ قومی اور مذہبی اقدار، نظریہ حیات اور روایات کے تحفظ اور فروغ کی ضامن ہوتی ہے۔

8- اس میں مواد موضوعات اور ذیلی موضوعات کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔

9- اس میں طلبہ کی دلچسپی اور موضوع کی وضاحت کے لیے تصاویر، اشکال اور نقشوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔

10- اس میں پیش کردہ مواد اور معلومات میں مہارت حاصل کرنے اور بہتر استعمال کے لیے کی مشقیں شامل ہوتی ہیں۔

11- اس کے مواد میں گرائمر، عبارت اور کتابت کی غلطیاں موجود نہیں ہوتیں۔

12- اس میں اچھے کاغذ اور بہتر چھپائی کا انتظام کیا جاتا ہے اور قیمت بھی موزوں ہوتی ہے۔

13- یہ متعلقہ مضمون کے مقاصد اور کلاس کی ضرورت کے مطابق صفحات کی تعداد متعین ہوتی ہے اور سائز مناسب ہوتا ہے۔

نصاب (Curriculum)

نصاب سے مراد علوم اور سرگرمیوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو کسی بھی تعلیمی نظام کے زیر اہتمام طالب علم کے لیے فراہم کیا جاتا ہے۔ جس کے مطابق وہ تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

نصاب کے لغوی معنی راستے کے ہیں۔ نصاب یعنی کریکولم (Curriculum) کا لفظ لاطینی زبان کے لفظ کوریئر (Courier) سے بنا ہے جس کے معنی ایک ایسا ہموار راستہ ہے جس پر دوڑ کر کوئی فرد اپنی منزل مقصود پر پہنچتا ہے۔ بالفاظ دیگر نصاب کے ذریعے سے اپنے مقاصد حاصل کرنا ہے۔ مسلمانوں کے تعلیمی لٹریچر میں نصاب کے لیے منہاج کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے لفظی معانی بھی راستے کے ہیں اور اس اعتبار سے یہ بہت حد تک انگریزی اصطلاح کریکولم (Curriculum) کا ہم معنی ہے۔

معنی کے لحاظ سے لفظ نصاب کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایک ایسا راستہ ہے جس کے ذریعے سے طلبہ اپنے مقصد تک پہنچتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی طالب علم کو ڈاکٹر یا انجینئر بننا ہے تو وہ اس مقصد کے لیے ایسے نصاب کو منتخب کرے گا یا ایسے نصابی

راستے پر چلے گا جو اس کو اس کی منزل یا مقصد تک لے جائے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نصاب تعلیمی مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے اور اسی کے ذریعے سے تعلیم کے مقاصد پورے ہوتے ہیں۔

اس بحث سے دوسرا پہلو یہ نکلتا ہے کہ نصاب خاص مقاصد کے تحت تدوین کیا جاتا ہے۔ اس کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ نصاب ایک ایسا راستہ ہے جس پر دوڑ کر فرد اپنی منزل حاصل کرتا ہے۔ چلنے اور دوڑنے میں فرق یہ ہے کہ چلنے میں عدم دلچسپی اور امنگ کی کمی محسوس ہوتی ہے جبکہ دوڑنے میں فرد کی دلچسپی اور ارادہ پایا جاتا ہے اور فرد متحرک نظر آتا ہے اور فرد کی یہ حرکت ارادے اور شوق کے بغیر ممکن نہیں۔ ان تمام باتوں سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ نصاب ایک ایسا ذریعہ یا راستہ ہے جس پر چل کر فرد اپنے ارادے اور شوق سے اپنی منزل حاصل کرتا ہے۔ باالفاظ دیگر جب تک طالب علم اپنی کوشش، محنت اور ارادے سے نصاب کو نہیں اپناتا یا نصابی تقاضوں کو پورا نہیں کرتا، اس وقت تک وہ اپنی منزل یا مقصد حاصل نہیں کر سکتا۔ حقیقت ہے کہ محنت اور ارادے کے بغیر کوئی چیز نہیں سیکھی جا سکتی۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ نصاب ایک تعلیمی لائحہ عمل ہے جس کی تکمیل تعلیمی ادارہ کرتا ہے جہاں طلبہ کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق تعلیمی تجربات مہیا کیے جاتے ہیں۔ تعلیمی مفکرین کے مطابق ''نصاب ایک ایسا تحریری تعلیمی منصوبہ ہوتا ہے جو سکول کے بچوں کے تعلیمی تجربات کے حصول کے لیے مرتب کیا گیا ہو۔''

جیمس مائیکل لی (James Micheal Lee) کے نزدیک ''نصاب آموزش کے اس تمام عمل پر محیط ہے جس کے لیے سکول ذمہ داری رکھتا ہے۔''

میڈ (Mead) کے مطابق ''نصاب سکول کی تمام سرگرمیوں کا احاطہ کرتا ہے مثلاً کھیل کود، جماعت کا کام اور وہ تمام سرگرمیاں جو سکول میں انجام دی جاتی ہیں۔''

پال ہرسٹ (Paul Hurst) کے مطابق ''نصاب تعلیمی سرگرمیوں کی ایسی تنظیم ہے جس کے ذریعے طلبہ تعلیمی مقاصد حاصل کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔''

فرینک مسگروو (Frank Musgrove) کے نقطہ نظر سے ''نصاب حقیقی زندگی کے تجربات و اعمال کو منتخب کر کے واضح کرنے اور رفتار بخشنے کا ذریعہ ہے''۔

نصاب کو وسیع تر معانی میں دیکھا جائے تو یہ اساتذہ اور مدرسے کو میسر شدہ ان حالات اور مواقع کا نام ہے جس کے ذریعے مدرسے میں آنے والے بچوں اور نوجوانوں کے کردار میں تبدیلیاں پیدا کی جاتی ہیں۔ یہ ایسے افعال و افکار کا مجموعہ ہے جس سے بچے کی زندگی، خواہ مدرسے کے اندر ہو یا باہر، متاثر ہوتی ہے۔ یہ طالب علم کی شخصیت کی تشکیل و تعمیر میں بلاواسطہ مددگار ثابت ہوتا ہے۔ پڑھنا لکھنا، ذاتی اور معاشرتی رابطے، ذہنی و اخلاقی نشوونما، جذباتی اور احساساتی زندگی، فکری تہذیب اور اس کی عملی تربیت سب کے سب نصاب میں شامل ہیں۔ اسی لیے مفکرین تعلیم نصاب کو محض کتابی مواد تک ہی محدود نہیں رکھتے بلکہ تدریسی پروگرام، مدرسے کی تمام سرگرمیوں، رہنمائی و مشاورت اور تعلیمی جائزے سبھی عناصر کو شامل کرتے ہیں۔ اس طرح نصاب کا دائرۂ عمل بہت وسیع ہو جاتا ہے۔

نصاب کا خاکہ کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ مطالعہ پاکستان کے سلسلے میں کن کن موضوعات پر بحث ہوگی۔ اردو یا انگریزی کی تدریس میں کتنے اور کس قسم کے تجربات مہیا کیے جائیں گے مثلاً نثر، نظم، مضمون نویسی، گرائمر، زبانی اظہار خیال کی مہارت وغیرہ کس مواد اور کن سرگرمیوں سے سکھائی جائے گی۔ اسی طرح سائنس اور ریاضی کی تدریس کے لیے ان مضامین میں کون کون سے موضوعات

اور تجربات کس مقررہ تعلیمی سطح پر کس طریقے سے دینا ضروری ہوں گے۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ

1- نصاب ایسا واضح عمل یا منصوبہ ہے جو کسی نظریۂ حیات کا حاصل ہوتا ہے اور جس کے ذریعے سے طلبہ اپنے میلانات اور صلاحیتوں کے مطابق تعلیم حاصل کرتے ہوئے اپنی شخصیت کو فروغ دیتے ہیں۔

2- نصاب تعلم و تدریس کی ایک ایسی تحریری دستاویز ہے جس کے ذریعے سے معلم طلبہ کے تعلیمی تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور ان کی جسمانی، ذہنی، جذباتی، معاشرتی اور روحانی تربیت کرتا ہے۔

3- نصاب سکول کی داخلی اور خارجی سرگرمیوں کا ایک تعلیمی لائحہ عمل ہے جو فرد کی ذہنی صلاحیتوں اور کرداری اوصاف کی نشوونما کرتا ہے۔

4- نصاب، مقاصد تعلیم کے حصول کا ایک مؤثر وسیلہ ہے اور معلم اس کے ذریعے طالب علم کی فطری و اکتسابی صلاحیتوں کی نشوونما کرتا ہے اور طالب علم کو معاشرتی مطابقت سے ہمکنار کرتا ہے۔

5- نصاب تعلم و تدریس کا ایک با قاعدہ اور واضح دستاویزی پروگرام ہے جس میں سکول کی داخلی اور خارجی سرگرمیاں شامل ہیں۔ یہ معلم کے ذریعہ سے طلبہ کی جسمانی، ذہنی، جذباتی اور معاشرتی نشوونما کرتا ہے اور طالب علم کو اس کے نصب العین سے ہم کنار کرتا ہے۔

نصاب کے عناصر (Components of Curriculum)

نصاب کے اصطلاحی معنی کسی خاص تعلیمی سطح کے لیے تجویز کردہ جامع لائحہ عمل ہیں۔ اس لیے اس مجوزہ لائحہ عمل میں بعض خصوصیات کی موجودگی ضروری ہے۔ مختلف ماہرین تعلیم کے پیش کردہ نصابی خاکوں کے مطالعہ سے ہمیں نصاب کے چار بنیادی اجزا یا خصوصیات کا علم ہوتا ہے۔ نصاب کے ان اجزا کو بعض ماہرین نصاب کے عناصر اربعہ یا نصاب کی ساخت کا نام بھی دیتے ہیں۔ نصاب کے چار اجزا ہوتے ہیں جو منطقی لحاظ سے بھی نصابی عمل کے لیے ضروری ہیں۔ یاد رہے کہ نصاب سازی کا عمل مسلسل اور دائروی عمل ہے اور اس مسلسل عمل میں یہ چاروں اجزا نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ نصاب کے یہ اجزا درج ذیل ہیں:

i۔ مقاصد نصاب ii۔ نصابی مواد iii۔ طریقۂ تدریس iv۔ جائزہ

i۔ مقاصد نصاب (Objectives of Curriculum)

اگر ہم غور کریں کہ ہم نصاب کیوں بناتے ہیں؟ نصاب سازی کا محرک (Motive) کیا ہے؟ ہم نصاب سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ یا ہم تعلیم کے ذریعے طلبہ کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟ ان سوالات کے جواب میں آپ جو کچھ بھی کہیں گے وہی نصاب کے مقاصد ہوں گے۔ دراصل نصابی مقاصد نفسیاتی اور منطقی جواز رکھتے ہیں۔ ان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ طلبہ تعلیم کیوں حاصل کریں؟ ان کو اس سے کیا فائدہ ہے؟ تعلیم سے ان کو کیا حاصل ہوگا؟ یوں بھی نفسیاتی لحاظ سے طلبہ محرک کے بغیر اپنے ردعمل کا اظہار نہیں کرسکتے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ کسی فائدے کے بغیر وہ کسی ردعمل کا اظہار نہیں کرتا۔ اسی لیے نصاب سازی میں سب سے پہلے مقاصد کا تعین کرنا ضروری ہے کیونکہ مقاصد کے مطابق منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔ نصابی مقاصد اس لیے بھی اہم ہیں کہ ان کی مدد سے ہمیں اپنی کارکردگی اور منزل سے فاصلے کا علم ہوتا ہے۔ پھر مقاصد قومی امنگوں، ملکی ضروریات، نظریات اور افکار کی ترقی کے ضامن ہوتے ہیں۔

یہ نفسیاتی اور منطقی بات ہے کہ نصاب کے مقاصد جس قدر موثر، ترغیبی اور افادی ہوں گے، طلبہ اسی قدر ان کے حصول کے لیے کوشش کریں گے۔ مقاصد ایسے ہونے چاہئیں جو ایک طرف فرد کی خواہش کی تسکین کریں اور دوسری طرف معاشرے کی ضروریات کی بھی تکمیل کر سکیں۔ اس لیے نصاب کے مقاصد کا تعین کرتے ہوئے ایک طرف فرد کی دلچسپی اور خواہشات اور دوسری طرف معاشرے اور مضمون کی ضروریات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

-ii نصابی مواد (Content)

مواد کا چناؤ نصابی عمل کا دوسرا جزو ہے۔ جب نصاب کے مقاصد کا تعین کر لیا جاتا ہے تو یہ سوال سامنے آتا ہے کہ یہ مقاصد کس طرح یا کس ذریعے سے حاصل کیے جائیں۔ بالالفاظ دیگر نصاب میں کیا کیا اور کیسے کیسے تعلیمی و تدریسی تجربات، سرگرمیاں، مضامین اور موضوعات شامل کیے جائیں جن سے طے شدہ نصابی مقاصد حاصل ہو سکیں۔ اگر ہم نے نصابی مقاصد کے حصول کے ذرائع یعنی تعلیمی و تدریسی مواد شامل نہیں کیا تو نصابی مقاصد کا حصول ناممکن ہو جائے گا۔ اس حوالے سے تدریسی و تعلیمی مواد نصاب کا اہم بنیادی جزو بن جاتا ہے۔ اس کے بغیر نہ تو نصاب مکمل ہو سکتا ہے اور نہ ہی نصابی مقاصد کا حصول ممکن ہے۔

نصاب کے لیے مواد کا انتخاب بڑی احتیاط سے کیا جانا چاہیے۔ یہ مواد ایسا ہو کہ وہ طلبہ کی ذہنی، اخلاقی، معاشرتی اور معاشی نشوونما کر سکے اور طلبہ کے لیے دلچسپی کا باعث ہو۔ وہ ان کے نفسیاتی تقاضوں کی آسودگی کر سکے اور ان کو معاشرتی اور معاشی مطابقت کے حصول میں معاون ہو۔ یہ بہت ضروری ہے کہ نصابی مواد طلبہ کی ذہنی استعداد کے مطابق ہو۔ وہ بتدریج آسان سے مشکل اور مشکل سے مشکل تر ہو جس سے طلبہ کے فکر و نظر میں وسعت پیدا ہو۔ لہٰذا مواد کا چناؤ کرتے ہوئے بچوں کی نفسیات، بالیدگی اور نشوونما کی ضروریات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ نصابی مواد معیاری ہونے کے ساتھ ساتھ طلبہ کے لیے باعث کشش ہو اور جس سے طے شدہ نصابی مقاصد کی تکمیل ہوتی ہو۔ نصابی مواد معتبر، معیاری، جامع، واضح، موزوں، زندگی سے مربوط اور افادی ہو۔ اس کی تنظیم بتدریج ہو، اس میں تسلسل اور توازن جیسی خصوصیات کا ہونا بھی ازحد ضروری ہے۔

-iii طریقہ تدریس (Teaching Method)

نصاب کے پہلے مرحلے کی تکمیل کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ نصابی مواد کو طلبہ تک کس طرح پہنچایا جائے کہ طلبہ اس کو خوشی خوشی قبول کر لیں۔ معلم جو کچھ بھی پڑھائے وہ طلبہ کے ذہن نشین ہو جائے اور جو توقعات ہم طلبہ سے رکھتے ہیں وہ بھی پوری ہو جائیں اور نصاب کے طے شدہ مقاصد حاصل ہو جائیں۔ طے شدہ مقاصد کے حصول کے لیے طلبہ تک نصابی مواد کی ترسیل کے لیے ایسے تدریسی طریقوں کا انتخاب کیا جائے جو طلبہ کی ذہنی استعداد اور متعلقہ مضمون یا مواد کی ضروریات کے مطابق ہو۔ طلبہ کی دلچسپی اور مواد کی نوعیت کے پیش نظر موزوں تدریسی طریقہ کا انتخاب ضروری ہوتا ہے۔

تدریس کے دوران حسب ضرورت موقع کے لحاظ سے سمعی و بصری معاونات اور امدادی اشیا بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ تدریسی طریقہ جس قدر موثر ہوگا اسی اعتبار سے نصابی مقاصد کا حصول ممکن ہوگا۔ یاد رہے کہ نصاب کو عملی جامہ پہنانے والا شخص معلم ہے۔ اگر معلم نے نصاب کو بہتر اور موثر طریقہ تدریس کے ذریعے طلبہ تک پہنچا دیا تب ہی نصابی مقاصد کا حصول ممکن ہوگا۔ لہٰذا معلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ طلبہ کی نفسیات سے واقف ہو اور ان کی خواہشات اور دلچسپیوں کے علم کے ساتھ ساتھ نصابی مواد پر مکمل عبور رکھے اور مختلف تدریسی طریقوں اور تدریسی ٹیکنالوجی سے بھی آگاہ ہو۔ استاد کے لیے تدریس کو موثر بنانے والے اصولوں کا علم رکھنے اور

امدادی اشیا کو استعمال کرنے کے ڈھنگ سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے۔

iv- نصابی جائزہ (Curriculum Evaluation)

نصابی جائزے میں نصاب کے تمام اجزا کی کارکردگی اور ان کے مؤثر ہونے کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ نصاب کے تمام اجزا کہاں تک نصابی مقاصد کے حصول میں کامیاب رہے۔ کیا نصاب کے تمام طے شدہ مقاصد حاصل ہو گئے یا نہیں؟ اس سلسلے میں نصاب کے ہر جز کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ نصابی جائزے سے ہمیں طلبہ کی تخلیقی، تنقیدی اور معاشرتی صلاحیتوں کا علم بھی ہوتا ہے اور نصاب کو مزید بہتر بنانے کے مواقع بھی ملتے ہیں۔ یہ جائزہ نصابی مقاصد، نصابی مواد اور طریقہ ہائے تدریس کو خوب سے خوب تر بنانے میں رہنمائی کرتا ہے۔

نصابی جائزہ لینے کے لیے رسمی اور غیر رسمی طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ رسمی طریقے میں طلبہ کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لیے مختلف طریقوں سے امتحان لیا جاتا ہے جو زبانی، تحریری یا عملی طریقوں کا ہو سکتا ہے۔ اس کے ذریعے طلبہ کی ذہنی صلاحیتوں کو پرکھا جاتا ہے۔ عام طور پر اساتذہ ماہانہ، ششماہی اور سالانہ امتحانات کے ذریعے نصابی مقاصد اور نصاب کی کامیابی یا ناکامی کا جائزہ لیتے ہیں۔ غیر رسمی طریقوں میں مشاہدے اور تجربات سے کام لیا جاتا ہے۔ مختلف سرگرمیوں اور تجربات کے مشاہدے سے طلبہ کی عملی کارکردگی کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ مشاہدات سے طلبہ کے کردار کے بارے میں بھی بہت کچھ اخذ کیا جا سکتا ہے۔

نصابی جائزے میں نصاب کے تمام عناصر پر نظر رکھنا ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مقاصد ایسے ہوں جو طلبہ کی رسائی سے باہر ہوں اور اس طرح نصاب کے دیگر اجزا بہتر ہونے کے باوجود مقاصد کے حصول میں معاون ثابت نہ ہوں۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ مقاصد تو بہتر ہوں لیکن ان کے حصول کے ذرائع یعنی مواد کا انتخاب اور اس کی تنظیم خاطر خواہ نہ ہو، مثلاً مواد طلبہ کے لیے عدم دلچسپی کا حامل ہو، اس میں کوئی کشش اور افادی پہلو نہ ہو، وہ جامع اور مؤثر نہ ہو یا وہ طلبہ کی ذہنی سطح سے بلند ہو اور اس وجہ سے نصاب اپنے مقاصد کے حصول میں کامیاب نہ ہو۔

اسی طرح نصاب کے تیسرے اہم جز و یعنی طریقۂ تدریس کا بھی تجزیہ کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ مقاصد بھی بہتر مقرر کیے گئے ہوں اور نصابی مواد بھی طلبہ کی نفسیات سے ہم آہنگ اور تعلیمی تقاضوں سے مربوط ہو لیکن وہ مواد طلبہ تک صحیح طریقے سے نہ پہنچ سکا ہو۔ دوسرے لفظوں میں معلم کا طریقۂ تدریس بھی غیر مؤثر ہو سکتا ہے کہ اس نے تدریس میں اپنے منفی جذبات یا ردعمل کا اظہار کیا ہو یا تدریس کو مؤثر بنانے کے لیے کوئی امدادی شے یا بہتر تدریسی تکنیک استعمال نہ کی ہو یا معلم کی شخصیت ہی طلبہ کے ذہنوں پر ایک بوجھ ہو جس کی وجہ سے نصابی مواد طلبہ کے ذہن نشین نہ ہو سکا ہو اور طلبہ نے بھی عدم دلچسپی کا اظہار کیا ہو اور ان تمام اسباب کے باعث نصاب اپنے مقاصد حاصل کرنے میں ناکام رہا۔

نصابی جائزے سے ہمیں طلبہ کی صلاحیتوں اور ان کی تخلیقی، تنقیدی اور معاشرتی لیاقتوں کا علم ہوتا ہے اور ہمیں نصاب کو بہتر بنانے اور اس میں ترمیم و تنسیخ کے مواقع بھی ملتے ہیں۔ نصابی جائزے سے حاصل شدہ نتائج، نصاب اور نصابی اجزا کو خوب سے خوب تر بنانے میں رہنمائی کا کردار ادا کرتے ہیں۔

نصابی اجزا کا باہمی ربط (Co-Relation among Curriculum Elements)

تقریباً تمام ماہرین نصاب اس بات پر متفق ہیں کہ نصاب کے تمام اجزا میں گہرا باہمی ربط ہوتا ہے اور سب ایک دوسرے پر

دارومدار رکھتے ہیں ۔نصاب انہی کے باہمی ربط سے فروغ پاتا ہے۔ ان اجزا کا باہمی ربط جس قدر زیادہ ہوگا، نصاب اسی قدر مؤثر ہوگا۔ بعض ماہرین تعلیم نے ان اجزا کو نصاب کے چار ستون قرار دیا ہے۔ انھی ستونوں پر نصاب کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ اگر کسی ایک ستون میں کوئی جھول یا نقص رہ جائے تو پورا نصاب غیر مؤثر ہو جاتا ہے۔ اگر چہ یہ اجزا بظاہر تو الگ الگ ہیں لیکن نصاب کی عمارت سازی میں یہ سب مشترک کردار ادا کرتے ہیں اور نصابی عمل کو مسلسل متحرک رکھتے ہیں۔

نصاب کے یہ سب اجزا ایک دوسرے سے باہمی طور پر منسلک ہوتے ہیں۔ مثلاً جب نصاب کے مقاصد کا تعین ہوتا ہے تو معاشرے کے حالات کا تجزیہ کرنا پڑتا ہے کہ معاشرے کے تقاضے کیا ہیں؟ اس کی معاشرتی وثقافتی اقدار کیا ہیں۔ کون کون سے نئے تقاضے ابھر رہے ہیں اور کس طرح اس معاشرے کو فروغ دیا جا سکتا ہے اور عالمی سطح پر کس طرح مطابقت حاصل کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا ان تمام حالات کا جائزہ لیتے ہوئے ہی نصاب تعلیم کے مقاصد کا تعین کرنا ہوتا ہے۔

اسی طرح طلبہ کی شخصیت کا مطالعہ کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ ان کی بالیدگی ونشوونما کی خصوصیات، ان کے میلانات، ان کی دلچسپیاں، ان کی خواہشات اور ان کے انفرادی اختلافات کا جائزہ لینے سے ہی تعلیم کے مقاصد مقرر کیے جاتے ہیں۔ جن سے نصاب بناتے ہوئے نصابی مقاصد کا تعین ہوتا ہے۔ مقاصد کے تعین میں نصابی عمل کا دامن معاشرے اور طلبہ سے باندھا جاتا ہے۔ نصاب مقرر ہونے کے بعد نصابی مقاصد کے حصول کے ذرائع تلاش کیے جاتے ہیں۔ یعنی نصابی مضامین یا مواد کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ مواد اور اس کی تمام سرگرمیاں، معاشرتی تقاضوں اور طلبہ کی نفسیات سے مربوط ہوتی ہیں۔

جب مواد کا انتخاب ہو جائے گا اور مواد کتابی صورت میں دستیاب ہوگا تو طلبہ تک اس کی ترسیل کے طریقۂ کار پر غور کرنا ہوگا۔ مواد کی نوعیت اور معاشرے کی ذہنی ونفسیاتی اقدار کے مطابق تدریسی طریقوں اور مواد میں بھی گہرا تعلق ہوتا ہے۔ مواد کی نوعیت اور معاشرے کی اقدار کے مطابق تدریسی طریقے اور تدریسی ٹیکنالوجی استعمال کی جاتی ہے۔ اگر تدریسی طریقے مؤثر ہیں تو مواد کی ترسیل یعنی تدریسی اثرات بہتر اور پائیدار ہوں گے۔ طریقۂ تدریس کے بعد نصابی جائزہ ہمیں نصابی اثرات اور نتائج سے آگاہ کرتا ہے۔ اگر ہمیں نصابی تجزیے سے معلوم ہو کہ نصابی مقاصد حاصل ہو رہے ہیں یا ہو گئے ہیں تو ہم نصاب کو معیاری اور مؤثر قرار دیں گے اور اگر نصابی نتائج غیر تسلی بخش ہیں اور معلوم ہو کہ نصابی مقاصد از سر نو مقرر کرنا ہوں گے، تو از سر نو مواد کا انتخاب اور اس کی تنظیم کی جائے گی اور از سر نو ہی تدریسی طریقوں پر غور و فکر کر کے بہتر تدریسی طریقوں کو اختیار کیا جائے گا اور نصابی نتائج معلوم کرنے کے لیے از سر نو نصابی جائزہ لیا جائے گا۔

غرضیکہ اس طرح نصابی عمل ہمیشہ متحرک رہتا ہے اور نصاب کے تمام اجزا باہمی تعاون اور اشتراک عمل سے نصاب کے عمل کو رواں دواں رکھتے ہیں۔ بقول ہلڈا ٹابا (HildaTaba) کسی بھی ایک جزو کے تعلق یا اشتراک عمل کے بغیر کیا گیا کوئی بھی نصابی فیصلہ کرنے سے نصاب کے ناقص ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

اچھے نصاب کی خصوصیات (Characteristics of Good Curriculum)

ایک اچھے نصاب میں درج ذیل خصوصیات کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے:۔

1- اچھے نصاب کی اولین خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ یہ طالب علم کو معاشرے کو سمجھنے، اس کی ترقی میں حصہ لینے کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کرتا ہے۔ اچھا نصاب طلبہ کو ان مہارتوں، صلاحیتوں اور حقائق سے آگاہ کرتا ہے جن کی مدد سے وہ شخصی اور گروہی مسائل کو حل کر سکیں۔ یہ تعلیمی ادارے کی معاشرتی، تعلیمی اور اخلاقی اقدار سے ہم آہنگ ہو۔ اچھا نصاب آج کے تغیر پذیر

معاشرے سے پیدا شدہ معاشرتی، تہذیبی اور اخلاقی مسائل کا سامنا کرنے کے لیے نہ صرف طالب علم کو تیار کرے بلکہ آئندہ کے لیے بھی ان کی ضروریات کا خیال رکھے۔

2- اچھے نصاب کی یہ بھی خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ طالب علم کے لیے ایسے مضامین، تدریسی مواد اور تجربات کا انتخاب کرے جو بچوں کی زیادہ سے زیادہ ذہنی اور فکری تربیت کے ذریعے ان کی سوچ اور عمل کو متاثر کرے۔ انسان کی فطری جدت پسندی کی صلاحیت کو تخلیقی عمل کی طرف راغب کرے اور طالب علم کو اپنی ذات، اپنے ماحول اور کائنات پر غور و فکر کے لیے آمادہ کرے۔

3- اچھا نصاب طالب علم کی انفرادی صلاحیتوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ ہوتا ہے۔ اچھا نصاب طالب علم کی طبعی اور ذہنی عمر اور ضروریات اور صلاحیتوں کے مطابق ہوتا ہے۔ اس میں مضامین اور موضوعات اس طرح سے ترتیب دیئے جاتے ہیں جن سے زیادہ سے زیادہ طالب علموں کی دلچسپی اور رجحانات کا خیال رکھا جا سکے۔

4- اچھے نصاب میں تجربے کا تسلسل قائم رہتا ہے۔ اچھا نصاب مختلف تعلیمی سطحوں پر افقی اور عمودی انداز میں اس طرح بنایا جاتا ہے کہ ایک باب اور ایک سطح کے تجربات، اگلے ابواب اور اگلی تعلیمی سطحوں کے لیے بنیاد کا کام دیتے ہیں۔ ان میں باقاعدہ تسلسل اور توازن ہوتا ہے۔ اچھے نصاب میں تمام سرگرمیاں طلبہ کی عمر، استعداد، صلاحیت اور سابقہ تجربات کو پیش نظر رکھ کر طے کی جاتی ہیں۔ یہ نصاب طلبہ کے ماضی، حال اور مستقبل کے تجربات میں ہم آہنگی اور تسلسل پیدا کرتا ہے۔

5- اچھے نصاب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ تمام تعلیمی مقاصد کے حصول میں معاون ہو۔ یہ ایک ایسا جامع منصوبہ ہوتا ہے جس کے تحت مدرسہ معاشرے کی طرف سے سپرد کردہ فرائض پورے کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔ تعلیم کے اہم مقاصد میں فرد کی مکمل ذہنی، جسمانی اخلاقی اور سماجی نشوونما کر کے معاشرے سے مطابقت کے قابل بناتا ہے۔ اچھا نصاب ان تمام مقاصد کے حصول کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اچھے نصاب میں ان مقاصد کے علاوہ ابلاغ کی مہارتیں، بولنا پڑھنا لکھنا، حساب کتاب کی مہارت، سائنسی اندازِ فکر کی تربیت، معاشرتی روابط کو بڑھانے، تخلیقی صلاحیت اور ذوق جمالیات جیسی عام مہارتوں کے حصول کو بھی نمایاں مقام حاصل ہوتا ہے۔

6- اچھا نصاب تمام مقاصد کے حصول کے ساتھ ساتھ ان میں توازن بھی برقرار رکھتا ہے۔ یہ طلبہ کی انفرادی صلاحیتوں کے عین مطابق اور ان کی متوازن نشوونما کا ضامن ہوتا ہے۔ اچھا نصاب طلبہ کی عمر اور تعلیمی ارتقا کے مختلف مراحل میں ان کی ہر قسم کی مادی، ذہنی، اخلاقی، روحانی ضروریات کے مطابق توازن قائم رکھتا ہے۔ اس میں یہ بات طے ہوتی ہے کہ کس مضمون کو نصاب میں کیا اہمیت حاصل ہے اور اس اہمیت کے لحاظ سے اس کو کتنا اور کون سا مواد اور کس قدر وقت درکار ہے۔

7- اچھے نصاب کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ وہ مقامی ماحول اور بعد ازاں وسیع تر قومی ماحول، روایات اور اقدار سے ہم آہنگ اور مربوط ہو۔ اچھا نصاب ہمیشہ مدرسے کے اردگرد کے وسائل اور سہولیات سے مناسب طور پر استفادہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ دستیاب سمعی و بصری معاونات، تدریسی وسائل اور جدید تحقیقات سے فائدہ اٹھانے کے مواقع بھی فراہم کرتا ہے۔

8- اچھے نصاب میں جامعیت اور لچک کی خصوصیات بھی موجود ہوتی ہیں۔ اس میں طلبہ کی ضروریات، ان کی شمولیت اور محدود آزادی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ یہ نصاب قومی مقاصد کی بھرپور عکاسی کرتا ہے اور قوم کے نظریہ حیات سے مکمل ہم آہنگ ہوتا ہے۔ اس نصاب میں طلبہ کے تمام ذہنی، جذباتی، روحانی، اخلاقی، مادی اور مہارتی غرضیکہ ہر پہلو کی ترقی کے لیے سرگرمیوں کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔ ایسے نصاب میں شامل تمام سرگرمیوں، تجربات، نفس مضمون اور مہارتوں میں تنوع ہوتا ہے

جو اساتذہ اور طلبہ کے لیے تعلیمی تحریک کا باعث ہوتا ہے۔

جائزہ

(Evaluation)

جائزے کا تصور زمانہ حال کی ایجاد نہیں، تخلیق آدم سے لے کر اب تک ہر شخص کو اپنی ذات اور اپنے ماحول کا درست اندازہ لگانے کے لیے جائزے کی کسی نہ کسی صورت سے واسطہ پڑتا رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کی جدوجہد میں جائزے کا کردار نہایت اہم رہا ہے۔ انسان نے مختلف علوم و فنون میں جس قدر بھی ترقی کی ہے اس میں بھی اس عمل کا حصہ نمایاں ہے۔ موجودہ زمانے کی مہذب اقوام کے علاوہ غیر متمدن قبائل کے ذہن بھی جائزہ اور تخمین کے تصور سے کبھی خالی نہیں رہے۔ انھیں بھی اپنی اور اپنے دشمن کی طاقت کا کسی نہ کسی طریقے سے اندازہ لگانا پڑتا ہوگا۔ کبھی انھیں خوراک حاصل کرنے کے مختلف ذرائع کا باہمی موازنہ کرنا پڑتا ہوگا اور کبھی یہ جائزہ لینا پڑتا ہوگا کہ ان کی اولاد اپنے مخصوص تمدن اور قبائلی روایات سے کہاں تک مستفید ہو رہی ہے۔ الغرض جائزہ و تخمین انسانی زندگی کا ایک اہم جزو تھا اور رہے گا۔ انسان کو زندگی گزارنے کے لیے قدم قدم پر جائزہ و تخمین کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لحاظ سے حال اور مستقبل کے افراد اور اقوام کو بھی جائزے اور تخمین کے علم کی ضرورت ہمیشہ محسوس ہوتی رہے گی بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ اس علم میں اضافہ اور عمل میں بہتری پیدا ہوتی چلی جائے گی۔ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح جائزے اور تخمین کا یہ علم تعلیم کے شعبہ میں نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ جہاں اس کو تعلیمی جائزے یا تعلیمی تخمین کا نام دیا جاتا ہے۔

تعلیمی جائزہ ایک جامع اور اہم عمل ہے۔ یہ جائزہ تعلیم کے طے شدہ مقاصد کی روشنی میں پورے تعلیمی عمل کی کارکردگی کا تجزیہ کرتا ہے مثلاً یہ کہ کوئی ادارہ یا استاد طے شدہ تعلیمی مقاصد کے حصول یا مخصوص سرگرمیوں، مہارتوں، اہلیتوں کے اکتساب میں کس درجے پر ہے۔

جائزہ کے عمومی معنی جانچ پڑتال کے ہیں۔ تعلیم و تدریس میں جائزے سے مراد ایسا عمل ہے جس کے ذریعے معلم اپنی تدریس کا اندازہ کر سکتا ہے کہ اس نے جو پڑھایا تھا وہ طلبہ کو کس حد تک سمجھ میں آیا۔ مختلف ماہرین تعلیم نے جائزہ کی تعریف اس طرح کی ہے۔

لنڈول (Lindwell) کے مطابق "تعلیم و تعلم کے خصوصی مقاصد کے حصول کی جانچ پرکھ کا نام تعلیمی جائزہ ہے۔"

کارٹروی گڈ (Carter V. Good) کے مطابق "تعلیمی جائزہ وہ عمل ہے جس میں بالعموم ایک استاد مختلف ذرائع سے معلومات اکٹھی کر کے یہ اندازہ لگاتا ہے کہ اس کی تدریس کے بعد طالب علم کے کردار میں کس قدر تبدیلی آئی ہے۔"

نارمن گرون لنڈ (Norman Gronlund) کے مطابق "جائزہ ایک ایسا باقاعدہ طریق کار ہے جس میں یہ جاننے کی کوشش کی جاتی ہے کہ طلبہ نے تربیتی مقاصد کس حد تک حاصل کیے ہیں۔"

ہم کہہ سکتے ہیں کہ تعلیمی عمل کے ذریعے طلبہ میں مطلوب پائیدار کرداری تبدیلیوں، مہارتوں، اکتساب کے معیار اور استاد کے تدریسی عمل کو خامیوں سے پاک کرنے کے لیے باقاعدہ وقفوں وقفوں سے جانچ پڑتال کا عمل تعلیمی جائزہ کہلاتا ہے۔

تعلیمی جائزے کی مختلف جہتیں ہیں جن میں پیمائش، آزمائش اور تخمین شامل ہیں۔ ان سب کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ ذیل میں ان تینوں جہتوں کی وضاحت پیش ہے:

i- پیمائش (Measurement)

پیمائش، جائزے کے عمل کا ایک مقداری یا عددی پہلو ہے جس کے ذریعے کسی فرد کی کسی مخصوص خصوصیت کا اندازہ ایک خاص

معیار سے تقابل کے بعد مقداری یا عددی انداز میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ مختلف ماہرین تعلیم نے پیائش کی تعریف اس طرح سے کی ہے:

ارونگ لورج (Irving Lorge) کے مطابق ''پیائش وہ عمل ہے جس کے ذریعے مشاہدات کو بامعنی اور یکساں علامات عطا کی جاتی ہیں۔''

ڈان بلڈا ور ولیم کے مطابق پیائش سے مراد'' وہ کام یا طریق کار ہے جس کے ذریعے ایک خصوصی معیار سے تقابل کے ذریعے کسی شے کی موجود حد اور مقدار کو ثابت کیا جاتا ہے۔''

نارمن گرون لنڈ (Norman Gronlund) کے مطابق '' پیائش سے مراد وہ طریق کار ہے جس میں وہ درجہ معلوم کیا جاتا ہے جس حد تک کوئی فرد ایک خاص خصوصیت کا مالک ہوتا ہے۔''

پیائش اس سوال کا جواب دیتی ہے کہ کوئی خصوصیت کسی فرد میں کس حد تک یا کتنی مقدار میں پائی جاتی ہے۔

ii- آزمائش (Test)

آزمائش سے مراد وہ آلہ یا پیانہ ہے جس کی مدد سے ہم تعلیمی ماحول میں طلبہ کی مختلف خصوصیات کی پیائش کرتے ہیں۔ آزمائش دراصل سوالات کا مجموعہ ہوتی ہے جو زبانی، تحریری یا عملی شکل میں ہو سکتی ہے۔ ان کے جوابات سے ہم کسی فرد کی خصوصیات کی پیائش کر سکتے ہیں۔

iii- تخمین (Assessment)

تخمین کے معنی اندازہ، قیاس کرنا یا عمومی حساب لگانا ہے۔ استاد پڑھانے کے دوران اپنی تدریس کے تاثر کا اندازہ لگانے کے لیے طلبہ کی دلچسپی، توجہ، محویت اور فہم پر نظر رکھتا ہے تا کہ بہتر تعلیم کے لیے کمرۂ جماعت میں موزوں ماحول برقرار رکھا جا سکے۔

نارمن گرون لنڈ (Norman Gronlund) کے مطابق تخمین ایک طرزِ عمل ہے جس میں ہر وقت برمحل اور برجستہ اندازے لگائے جا سکتے ہیں، مثلاً اُستاد ایک ہی وقت میں اپنی کلاس کے بچوں کے فہم، حیرانگی، جوش و جذبہ، دلچسپی، بوریت اور توجہ وغیرہ کے متعلق اندازے لگا سکتا ہے۔

تعلیمی جائزے اور تخمین کی اہمیت

(Importance of Evaulation and Assesment)

i- طلبہ کی تعلیمی تحصیل کا جائزہ

تعلیمی جائزے کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے ذریعے طلبہ کو بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کیا جانتے ہیں اور کیا نہیں۔ کون سے تصورات صحیح طور پر ان کی سمجھ میں آگئے ہیں اور کون سے نہیں آئے یا کسی مہارت میں ان کی کس درجہ کی تحصیل ہے۔ دوسرے طلبہ کے مقابلے میں ان کا نتیجہ کیا ہے۔ طلبہ کو ان کی موجودہ کارکردگی کے نتیجہ میں ہی امدادی تدریس فراہم کی جاتی ہے جو صرف جائزے سے ہی پتہ چلتی ہے۔

ii- طلبہ میں تعلیم کے لیے تحریک پیدا کرنا

تعلیمی جائزے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس سے طلبہ میں پڑھائی کے لیے تحریک پیدا ہوتی ہے اور سیکھنے کے عمل کو تقویت ملتی ہے۔ طلبہ اچھے نمبر لینے کے لیے خصوصی تیاری کرتے ہیں اور اساتذہ اور والدین کے سامنے اپنے تاثر کو بہتر

بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور یوں کامیابی کے اعلیٰ درجوں کو حاصل کرتے ہیں۔

iii- طلبہ کی گروہ بندی

کسی بھی تعلیمی ادارے کے انتظامی اور تعلیمی امور میں بھی جائزے کا استعمال بہت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ نہ صرف طلبہ کی انفرادی تحصیل ورفتار کار سے آگاہ کرتا ہے بلکہ طلبہ کے مابین تعلیمی تحصیل کے لحاظ سے درجہ بندی کو بھی واضح کرتا ہے۔ اس طرح جائزہ تعلیمی مقاصد کے حصول کے لیے طلبہ کی گروہ بندی کرنے میں بھی مدد فراہم کرتا ہے۔

iv- تدریسی مواد کی تشکیل و تنظیم نو

تعلیمی جائزے کی اہمیت کا اس بات سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اسی کے ذریعے ماہرین تعلیم، تدریسی مواد اور تدریسی طریقہ کار کو از سر نو ترتیب و تشکیل دیتے ہیں اور اسی مناسبت سے اس کو استعمال بھی کر سکتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً ہونے والے جائزے اور تخمین کے ذریعے استاد طلبہ کی تعلیمی ترقی اور اکتساب رفتار کے بارے میں معلوم کر کے اپنی تدریسی رفتار میں مطابقت پیدا کر سکتا ہے۔

v- طلبہ کو اگلی جماعت میں ترقی دینا

تعلیمی جائزے اور تخمین کے عمل کی بدولت ہی طلبہ کو اگلی جماعت میں ترقی دینے کا فیصلہ کیا جاتا ہے جب کہ ایک مخصوص درجے کی کامیابی کے بعد سند بھی اس عمل میں سے گزرنے کے بعد ہی دی جاتی ہے۔ حکومت ہونہار طلبہ کے لیے جن اعزازات، انعامات اور وظائف کا انتظام کرتی ہے ان کا فیصلہ بھی جائزے اور تخمین کے عمل کو استعمال کرنے سے ہی ہوتا ہے۔

vi- اعلیٰ تعلیم اور ملازمتوں کے لیے انتخاب

جائزے کے ذریعے حاصل شدہ معلومات کی مدد سے زندگی کے مختلف شعبوں میں کام کرنے کے لیے امیدواروں کا انتخاب کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اسی طرح جائزے کے نتائج کی مدد سے طلبہ کو پیشہ ورانہ مضامین اور شعبہ جاتی انتخاب میں بھی معاونت ملتی ہے۔

vii- تحقیق میں استعمال

تعلیمی جائزے اور تحقیق سے حاصل شدہ معلومات کو تعلیمی تحقیقات میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر قسم کی بنیادی، اطلاقی اور عملی تعلیمی تحقیق کے لیے جائزے کے ذریعے حاصل شدہ نتائج کو استعمال کیا جاتا ہے۔

اہم نکات

1- سلیبس میں بعض موضوعات کا خاکہ اور چند چھوٹے بڑے عنوانات شامل ہوتے ہیں جو مضمون کے مواد کی نشاندہی کرتے ہیں۔

2- کورس کسی ایک مضمون کی ایسی تفصیل ہوتی ہے، جس میں اس امر کا اظہار کیا جاتا ہے کہ کسی ایک عنوان کو کتنے اسباق وقت لیکچرز اور ذیلی تصورات کی شمولیت کے ساتھ پڑھایا جائے گا۔

3- درسی کتب، استاد اور تعلیم کا باہمی تعلق زمانہ قدیم سے ہے۔ مختلف ملک اپنے نظریات سماجی، نفسیاتی پس منظر میں ہر مضمون کے لیے علیحدہ نصاب پر مشتمل درسی کتب تیار کرتے ہیں۔

4- نصاب سے مراد علوم اور سرگرمیوں کا ایسا مجموعہ ہے جو کسی بھی تعلیمی نظام کے زیرِ اہتمام طالب علم کے لیے فراہم کیا جاتا ہے۔

5- نصاب کے چار اجزا ہیں: مقاصد نصاب، نصابی مواد، طریقہ تدریس، جائزہ

6- جائزہ سے مراد ایسا عمل ہے جس کے ذریعے معلم اپنی تدریس کا اندازہ کر سکتا ہے۔

7- تعلیمی جائزے کی مختلف جہتیں ہیں جن میں پیمائش، آزمائش اور تخمین شامل ہیں۔

آزمائشی مشق

معروضی حصہ

1۔ مندرجہ ذیل بیانات میں سے کچھ بیانات صحیح ہیں اور کچھ غلط اگر بیان صحیح ہو تو "ص" کے گرد اگر بیان غلط ہو تو "غ" کے گرد دائرہ لگائیں۔

i- کتابیں معاونات تعلیم کا حصہ ہیں۔ ص / غ

ii- مقاصد، مواد، طریقہ تدریس اور جائزہ نصاب کی اہم خصوصیات ہیں۔ ص / غ

iii- کورس کسی مضمون کے عنوانات کی فہرست ہوتی ہے۔ ص / غ

iv۔ سلیبس کسی مضمون کے عنوانات اور مقاصد پر مشتمل ہوتا ہے۔ ص / غ

v۔ اچھی درسی کتاب طلبہ کی ذہنی ضروریات کے مطابق ہوتی ہے۔ ص / غ

2- مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات میں سب سے موزوں ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

i- نصاب سازی کا عمل مسلسل اور .... عمل ہے۔

ا۔ دائروی ب۔ مخروطی ج۔ معلوماتی د۔ عملی

ii- .... کے مطابق نصاب کے چار اجزا ہیں۔

ا۔ لنڈویل ب۔ میڈ ج۔ کیر د۔ ٹابا

iii- جائزہ ایک ایسا عمل ہے جس میں صرف .... پیمانے استعمال ہوتے ہیں۔

ا۔ مقداری ب۔ معیاری ج۔ خاصیتی د۔ علامتی

iv- جائزہ ایک .... عمل ہے:

ا۔ مسلسل ب۔ محدود ج۔ بے معنی د۔ دائروی

v- تعلیمی جائزہ سے مراد ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے .... اپنی تدریس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

ا۔ معلم ب۔ متعلم ج۔ معلم اور متعلم د۔ صدر معلم

vi- پیمائش جائزے کا .... پہلو ہے۔

ا۔ مقداری ب۔ معیاری ج۔ مقداری اور معیاری د۔ خاصیتی

vii- .... ایک طرزِ عمل ہے جس میں استاد ایک وقت میں طلبہ کے درجہ فہم، دلچسپی، توجہ کا اندازہ لگا سکتا ہے۔

ا۔ جائزہ ب۔ پیمائش ج۔ تخمین د۔ امتحان

3- فہرست (ا) کے مطابق فہرست (ب) میں سے مناسب جواب تلاش کر کے کالم (ا) کے سامنے فہرست (ج) میں لکھیں۔

کالم (ا)	کالم (ب)	کالم (ج)
i- مضمون کے عنوانات اور تعلیمی سرگرمیوں کا پروگرام	i- نصاب کے عناصر	
ii- کسی عنوان کو اسباق اور وقت میں تقسیم کرنے کا پروگرام	ii- کتاب	
iii- اولین تدریسی اعانت	iii- نصابی جائزہ	
iv- طالبعلم کے لیے منزل تک پہنچنے کا ذریعہ	iv- پیمائش	
v- مقاصد، مواد، طریقہ تدریس، جائزہ	v- جائزہ	
vi- نصاب کی خوبیوں اور خامیوں کی جانچ کا طریقہ	vi- نصاب	
vii- ماحول کا درست اندازہ لگانے کا عمل	vii- سلیبس	
viii- خصوصی معیار سے مقداری تقابل کرنا	viii- کورس	
	ix- تخمین	

انشائیہ حصہ

4- نصاب، سلیبس اور کورس کی تعریف لکھیں اور ان کے باہمی فرق کی وضاحت مثالوں سے کریں۔

5- نصاب سے کیا مراد ہے؟ مختلف ماہرین کی آرا کی روشنی میں نصاب کی مکمل اور جامع تعریف لکھیں اور نصاب کی نوعیت اور دائرہ کار کی وضاحت کریں۔

6- جائزہ، پیمائش اور تخمین کے تصورات کی تعریف اور مفہوم بیان کریں اور ان کے باہمی فرق کی وضاحت مثالوں سے کریں۔

7- جائزہ سے کیا مراد ہے؟ ماہرین تعلیم کی آرا کی روشنی میں جائزہ کی تعریف بیان کریں نیز نصابی جائزہ کے اہم مقاصد کی تفصیل لکھیں۔

معروضی سوالات کے جوابات

پہلا باب

سوال1- i- د ii- ج iii- د iv- ب v- ل vi- ل vii- ج viii- ج

سوال2-i- ص ii- ص iii- غ iv- ص v- ص vi- ص vii- غ

viii- غ ix- غ x- ص xi- ص xii- غ xiii- ص xiv- غ xv- ص

سوال3-i- گھر ii- والدین iii- تدریس iv- نصاب v- تعلیم vi- نفسیات

vii- منتقلی viii- دستور ix- معلم x- تعلیم

دوسرا باب

سوال1- i- ص ii- ص iii- ص iv- غ v- ص vi- ص

vii- غ viii- غ ix- ص x- ص xi- ص xii- ص

xiii- غ xiv- ص xv- غ xvi- غ xvii- ص

سوال2- i- ل ii- ج iii- ب iv- ل v- ج

سوال3- i- نظریہ حیات ii- خدا iii- اہل iv- ہنرمند v- انسان

vi- کردار vii- ہم آہنگی viii- سیرت ix- اعلیٰ صلاحیتوں

تیسرا باب

سوال1- i- غ ii- غ iii- ص iv- ص v- ص vi- ص vii- غ viii- غ

ix- ص x- ص

سوال2- i- د ii- ب iii- ل iv- ل iv- ل v- ل vi- ل

vii- ل viii- ل ix- ل x- ل

سوال3- i- نظریہ حیات ii- دین اور دنیا iii- اطاعت الٰہی iv- فلسفہ v- حقیقت vi- مجموعی

vii- جسمانی، ذہنی اور جذباتی viii- تعلق ix- اشاعت x- تعلیم

چوتھا باب

سوال1- i- ل ii- ب iii- ل iv- ب

سوال2- i- نشوونما ii- نمو iii- بالیدگی iv- اصولِ مراجعت

v- توارث اور ماحول vi- انفرادی اختلافات vii- توارثی اختلافات

سوال4-i- بالیدگی ii- نشوونما iii- مختلف iv- مسلسل v- ماحول vi- ذہنی اختلافات

vii- صلاحیتوں viii- ولی ix- ذہنی x- 89-80

پانچواں باب

سوال1- i- ب ii- د iii- د iv- ب v- ج

سوال2- i- غ ii- ص iii- غ iv- ص v- غ vi- ص vii- غ viii- غ ix- ص x- ص

سوال3- i- مستقل ii- طبعی وفطری iii- تھارن ڈائیک iv- وقت v- تاثیر vi- بالواسطہ
vii- خطائیں viii- عملی ix- خواہش x- مقصد xi- مستعد xii- فائدہ مند xiii- منتخب

چھٹا باب

سوال1- i- ص ii- غ iii- ص iv- غ v- ص vi- ص
vii- غ viii- ص ix- ص x- ص

سوال2- i- مل جل ii- حضرت حوا iii- جمہوری iv- پذیر v- منتقلی
vi- تعلیم vii- تعلیم viii- حیوان ix- تعلیم x- علم

سوال3- i- ج ii- ب iii- ب iv- د v- ا vi- د

سوال4-i- تعلیم ہے ii- نظریہ حیات iii- اکائی ہوتی ہے۔ iv- تعلیم بہت ضروری ہے۔
v- تعلیم کا بنیادی فریضہ ہے۔ vi- اچھا اشتراکی بناتا ہے۔

ساتواں باب

سوال1- i- والدین ii- رہنمائی iii- مطابقت iv- انسان v- فرد
vi- صلاحیتوں vii- مسلسل viii- حل ix- مطابقت x- زیادہ

سوال2- i- د ii- ب iii- ا iv- د v- ج vi- ج vii- ا viii- ج

سوال3- i- کارل راجرز ii- مشورہ دینے والا iii- ولیم سن iv- گروہی رہنمائی
v- غیر ہدایاتی مشاورت vi- سماجی ومعاشرتی رہنمائی vii- نفسیاتی رہنمائی
viii- مشورہ طلب کرنے والا

آٹھواں باب

سوال1- i- ص ii- ص iii- ص iv- ص v- ص

سوال2-i- د ii- ب iii- ا iv- د v- ج vi- ج vii- ا viii- ج

سوال3-i- سلیبس ii- کورس iii- کتاب iv- نصاب v- نصاب کے عناصر
vi- نصابی جائزہ vii- جائزہ viii- پیمائش

فرہنگ

آخرت:	حقیقی دنیا جو مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے۔
آموزش:	سکھائی
اپج:	نئی بات نکالنا۔ جدت پیدا کرنا
اقدار:	قدر کی جمع
انفارمیشن ٹیکنالوجی	(تکنیک معلومات) کمپیوٹر، انٹرنیٹ وغیرہ سے معلومات کا حصول
استحسان:	پسندیدگی۔ اچھا جاننا
استثنائی:	جدائی۔ کسی عام حکم سے کسی شخص یا چیز کی علیحدگی
بصیرت:	دانائی۔ آگاہی۔ بینائی
بالیدگی:	بڑھنا، افزائش کا عمل
بلوغت:	جوانی، شباب، بالغ ہونا
پیشہ ورانہ تعلیم:	مہارت کی خاص تعلیم مثلاً انجینئرنگ، طب وغیرہ
تخمین:	اندازہ۔ قیاس
تعلیم:	کسی قسم کی واقفیت حاصل کرنے یا بہم پہنچانے کا عمل
تعلم :	علم اور تجربے کی بنا پر انسان میں پیدا ہونے والی تبدیلی
تنظیم نو:	نئے سرے سے منظم کرنا، نئی ترتیب دینا
تہذیب وتمدن:	رہنے سہنے کا معاشرتی طریقہ
ترسیل:	بھیجنا۔ روانہ کرنا
تدوین نصاب:	لوازمہ نصاب اور اس کے متعلق تنظیم
تشکیلِ نصاب:	نصاب سازی
جبلی:	فطری پیدائشی
حب دانش:	عقل سے محبت
حقیقت اصلیہ:	ایسا وجود جسے قائم رہنے کے لیے اسباب کی ضرورت نہ ہو۔
حقیقت ظاہریہ:	ایسا وجود جو موجود تو ہو لیکن اس کا وجود کسی دوسرے پر منحصر ہو۔
خلیفۃ اللہ فی الارض:	زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب

خواندگی: افراد کی پڑھنے لکھنے کی صلاحیت

دائرہ عمل: وہ حدود جہاں تک رسائی ہو سکے

ذہنی بالیدگی: ذہنی ترقی

رضائے الٰہی: جس میں اللہ کی رضا ہو۔

طریقہ ہائے تدریس: اساتذہ جو طریقے استعمال کرتے ہیں۔

علم: جاننا، پہچاننا یا معلومات رکھنا

فلسفہ: وہ علم جس کا موضوع عقلی غور و فکر کے ذریعے حقیقت اصلیہ کا ادراک ہے۔

فطانت: ذہانت عقل مندی

قدریات: فلسفے کا شعبہ جس کا تعلق خیر و شر کے معیار ادراک سے ہے۔

کمیونٹی: طبقہ۔ فرقہ۔ بستی۔ برادری

لوازمہ نصاب: نصاب میں شامل تمام علوم و مشاغل/ تجربات

مترتب: ترتیب دینے والا

متعلم: علم حاصل کرنے والا۔ طالب علم

معلم: تعلیم دینے والا۔ مدرس۔ استاد

محرک: حرکت دینے والا، اکسانے والا

وجودیات: فلسفے کا شعبہ جس کا تعلق وجود کی حقیقت کے ادراک سے ہے۔

وقوفی: علمی، آگاہی، واقفیت

وظائف تعلیم: تعلیم کے فرائض

ہم نصابی سرگرمیاں: ایسے مشاغل جو نصاب میں تو شامل ہوتے ہیں لیکن ان کا امتحان نہیں لیا جاتا۔

کتابیات

-1 ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ بیروت؛ دار الکتاب العلمیہ (1978)

-2 خورشید احمد پروفیسر، اسلام کا نظریہ تعلیم، ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور (1987)

-3 احمد شلبی ڈاکٹر، تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ (1963)

-4 سعید اختر پروفیسر، ہمارا نظام تعلیم (1991)

-5 محمد سلیم سید پروفیسر، ہندو پاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت؛ ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور (1993)

-6 ابوالاعلیٰ مودودی مولانا سید، تعلیمات، اسلامک پبلیکیشنز لاہور (1963)

-7 انتظام اللہ شہابی مفتی؛ اسلامی نظام تعلیم کا چودہ سو سالہ مرقع، جناح لٹریری اکیڈمی، کراچی (1961)

-8 سی۔اے قادر پروفیسر، تعلیمی نفسیات، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور (1977)

-9 وصی اللہ خان مرتب، فلسفہ تعلیم، انجمن فاضلین، ادارہ تعلیم و تحقیق، جامعہ پنجاب لاہور

-10 عبدالحئی علوی، تعلیمی نفسیات، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور (1972)

-11 محمد رشید ڈاکٹر، تناظرات تعلیم (یونٹ-I) برائے بی۔ایڈ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد (1994)

-12 اکبر علی ڈاکٹر و خواجہ نذیر احمد ڈاکٹر، تدوین نصاب، خالد بک ڈپو، لاہور (1986)

-13 عبدالرشید ارشد ڈاکٹر، پاکستان میں تعلیم کا ارتقا؛ ادارہ تعلیم و تحقیق لاہور (1995)

-14 محمد عیسیٰ خاں، تعلیمی فلسفہ اور تاریخ؛ علمی کتاب خانہ، لاہور (1999)

-15 محمد سرور رانا، معاشرہ، سکول اور استاد؛ مجید بک ڈپو، لاہور 1998)

Ornstien, A.C. and Hunkins, F.P ,Curriculum; Foundation; Principles, and Issues, 4th Edition, New York, Allyn and Bacon Inc; 2003

Woolfolk Anita, Educational Psychology, 9th Edtion, Delhi, Pearson Education (Private) Ltd; 2004

Armsrtong David G. and others, Education: An Introduction; New York, Mac Millan Publishing Co; 1981

Dececco,John P and Crawford William R.The psychology of learning and Instructions; Educational Psychology EaglewoodCliff; Prentice Hall, 1988

Bower,Gordon H. and Hilgard, Ernest R.Theories of Learning 5th Edition, New Delhi;Prentice Hall, 1986

Parson R.D.et.al.Educational Psychology, Belmout; Wadsworth Thomson Learmning, 2001

Douglass, H.R. Modern Administration of Secondary Schools BostonCity; Gim & Company, 1963

NATIONAL REVIEW COMMITTEE FOR EDUCATION XI

1- Dr. Haroona Jatoi, Joint Educational Adviser, Curriculum Wing, Ministry of Education, Islamabad
2- Mr. M.A. Tariq Qureshi, Deputy Educational Adviser, (C.W) Ministry of Education,Islamabad
3- Javaid Iqbal Awan, Assistant Educational Adviser (C.W) Ministry of Education, Islamabad
4- Dr. Irshad Ahmad Farrukh, Add DPI Colleges, Punjab, Lahore.
5- Dr. Mahmood Hussain Awan, Associate Professor, Faculty of Educaion, Allama Iqbal Open University, Islamabad.
6. Dr. Fazal Karim Siddiqui. Subject Specialist, Bureau of Curriculum and Extension Wing Sindh, Jamshoro
7- Dr. Farah Javaid, Principal, Govt Usmania Girls High School, Rawalpindi.
8- Dr. Muhammad Naeemullah Khan, Senior Subject Specialist, University College of Education, Gakhar.
9- Prof. Muhammad Ijazul Haque, Principal, Govt College of Elementary Education, Uthal (District Lisbela), Baluchistan
10- Ch. Muhammad Amin, Principal, Govt. Higher Secondary School, Lakho Dair, Lahore
11- Mr. Abdussalam, Subject Specialist, Directorate of Curriculim and Teacher Education, NWFP Abbotabad.
12- Miss Kalsum Bibi, Lecturer, F.G. College for Women, G-10/4, Islamabad
13- Mrs. Khalida Parveen,Senior Subject Specialist, Punjab Textbook Board,Lahore.